مصباح الحدیث

ڈاکٹر حمید اللہ

ایم اے پی ایچ ڈی

استاذ الحدیث و الفقہ

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور

مکتبہ دانیال

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصباح الحدیث

ڈاکٹر حمید اللہ
ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی (استاذ الحدیث والفقہ)
ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور

ناشر
مکتبہ دانیال
جلال الدین ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
ہیلو: 0333-4276640, 042-7660736
www.maktabahdaneyal.com

محمد ابوبکر صدیق
نے
ندیم یونس پرنٹرز لاہور
سے چھپوا کر مکتبہ دانیال لاہور
سے شائع کی

قیمت......-/90

مکتبہ دانیال
جلال الدین ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
www.maktabahdaneyal.com

مصباح الحدیث...... فہرست



حجیت حدیث

حدیث کی متداول دینی تعریف کے مطابق نبی پاک ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو حدیث کا نام دیا جاتا ہے۔ بالعموم حدیث و سنت مترادف استعمال ہوتے ہیں مگر ان کے درمیان ایک فرق بھی پایا جاتا ہے۔ حدیث عام ہے اس کے تحت وہ تمام افعال اور امور آ جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوئے اور آپ ﷺ نے ان سے روکا نہیں اور سنت سے مراد وہ دینی طریقہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں گامزن رہے ہوں۔ دینی ادب میں حدیث و سنت کو مختلف مفاہیم میں استعمال کیا جاتا رہا ہے اور مترادف مفہوم میں بھی مثلاً:

هذا الحديث مخالف للقياس والسنة والاجماع.

''یہ حدیث قیاس وسنت اور اجماع کے خلاف ہے۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے:

امام في الحديث و امام في السنة و امام فيهما.

''فلاں شخص حدیث میں امام ہے سنت میں امام ہے اور دونوں ہی میں امام ہے۔''(1)

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (متوفی 198ھ) فرماتے ہیں:

''سفیان ثوری حدیث میں امام ہیں۔ اوزاعی سنت میں اور مالک بن انس دونوں میں۔''(2)

اس اختلاف کے باوجود حفاظ حدیث ان الفاظ کو ہمیشہ مساوی و مترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھتے رہے ہیں۔ صبح صالح کہتے ہیں:

''یہ بات اپنی جگہ درست ہے کیونکہ مکمل طور پر سنت تو فقط رسول اللہ ﷺ کے طور و طریقہ کا نام ہے جس کی تائید آپ ﷺ کے حکیمانہ اقوال و احادیث کرتی ہیں۔ پھر حدیث اور سنت دونوں کا موضوع ایک ہے۔ دونوں کا مرکز و محور یکساں طور پر رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال آپ ﷺ کے اعمال کی تائید کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے اعمال سے آپ ﷺ کے اقوال کی تائید ہوتی تھی۔''(3)

اس کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

ایمان بالرسول ﷺ

★ رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور اس کا تقاضا
★ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم

ارشاد خداوندی ہے:

یا ایھا الذین امنو امنوا باللہ و رسولہ والکتاب الذی نزل علم رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل (النساء: 136)

''اے ایمان والو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے۔''

یا ایھا الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیرلکم (النساء: 170)

''اے لوگو! تمہارے پاس رسول آ چکا حق بات لے کر تمہارے ربّ کی طرف سے تو مان لو تا کہ بھلا ہو تمہارا۔''

اس موضوع پر ان آیات کے علاوہ ملاحظہ ہو:

الاعراف: 157-158' النور: 47 اور النور: 62

ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کو لازمی قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے اور مومنوں کی شان ہی یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہ لوگ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کام نہیں کرتے۔

فاذا جعل اللہ من لوازم الایمان انھم لا یذھبون مذھبا اذا کانوا معہ الا باستذانہ فاولی ان یکون من لوازمہ الا یذھبوا الی قول ولا مذھب علمی الا بعد استذانہ' واذا یعرف بدلالۃ ما جاء بہ علی انہ اذن فیہ.[4]

''جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لوازمات میں سے یہ بات قرار دی کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں تو بغیر اجازت لئے مجلس سے نہ جائیں تو اس کے لوازمات سے یہ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے کہ وہ کسی قول یا مذہب کو آپ ﷺ سے اجازت لئے بغیر اختیار نہ کریں۔ آپ ﷺ کی اجازت کی دلالت سنت سے ہی ہو سکتی ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وضع اللہ رسولہ من دینہ و فرضہ وکتابہ الموضع الذی ابان جل ثناوہ انہ جعلہ علما لدینہ بما افترض من طاعتہ و حرم من معصیتہ وابان من فضیلۃ بما قرن من الایمان برسولہ مع الایمان بہ.[5]

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا اپنے دین اور فرائض اور کتاب میں جو مقام تجویز کیا ہے اس کو اللہ پاک نے اس طرح نمایاں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو دین کے لئے ایک علامت بنا دیا اس لئے کہ آپ کی اطاعت کو فرض کر دیا اور نافرمانی کو حرام قرار دیا اور آپ ﷺ کی فضیلت کو اس طرح ظاہر فرما دیا کہ اپنے رسول پر ایمان لانے کو اپنے اوپر ایمان لانے کی طرح لازمی اور ضروری قرار دے دیا۔''

مذکورہ بالا دلائل کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان باللہ کے معتبر ہونے کے لئے ایمان بالرسول بہرصورت ضروری ہے۔ جس طرح اللہ کے احکام اور فرمان کی تابعداری ضروری ہے اسی طرح نبی اقدس کی سنت اور ارشادات پر ایمان لانا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا ازبس ضروری ہے۔ نبی پاک ﷺ کے یہ قول وفعل ہمارے لئے حجت ہیں اور قابل عمل! عبادات کے قابل قبول ہونے کے لئے ایک اہم ترین شرط یہ بھی ہے کہ وہ عبادت سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اخلاص اور اتباع لازم وملزوم ہیں۔ صرف اخلاص بغیر اتباع رسول ﷺ کے یا صرف اتباع رسول ﷺ بغیر اخلاص کے اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔

★ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم اور مخالفت پر وعید

★ اطاعت رسول فرض ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین. (آل عمران: 33)

''آپ کہہ دیجئے، حکم مانو اللہ کا اور رسول ﷺ کا اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اس آیت کریمہ میں صراحتاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ جس نے بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض کیا وہ مسلمان نہیں، کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس لئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی. قالوا: ومن یابی؟ قال: من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی.(6)

''میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

حافظ ابن کثیرؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت نے اس بات کو بتلا دیا کہ دین میں رسول ﷺ کی مخالفت کرنا کفر ہے۔ جو اس صفت سے متصف ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ خود اس زعم میں مبتلا ہو اور اس بات کا مدعی ہو کہ وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور اس کا تقرب چاہتا ہے جب تک کہ وہ رسول نبی کریم اُمی خاتم الرسل ﷺ اور اللہ کے اس پیغمبر کا جو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے' اتباع نہ کرے جس کی شان یہ ہے کہ تمام انبیاء بلکہ سارے رسول (اولوالعزم پیغمبر) بھی اگر آپ ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو ان کے لئے بھی سوائے آپ ﷺ کی اتباع کرنے اور آپ ﷺ کی اطاعت میں داخل ہونے اور آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔''(7)

ایک اور حدیث جس کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں' فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اس دین کی مثال جس کو اللہ تعالیٰ نے دے کر مجھے دنیا میں بھیجا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے دشمن کے لشکر کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے (اور وہ دشمن جلد حملہ آور ہونے والا ہے) میں تم کو اس دشمن سے ہوشیار کرتا ہوں اور خیرخواہی کے طور پر تمہیں ڈراتا ہوں لہٰذا اس دشمن کے آنے سے پہلے اپنی نجات کا سامان کر لو اور بچنے کی کوئی صورت نکالو۔ اس کی اس نصیحت کو سن کر اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کا کہا مان لیا اور راتوں رات آہستہ آہستہ چل پڑے اور دشمن سے نجات پا گئے اور کچھ لوگوں نے اس کو نہ سمجھا اور صبح تک اپنے بستروں پر سوئے پڑے رہے کہ دشمن کا لشکر صبح ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کو ہلاک و برباد کر ڈالا اور ان کی نسل کا خاتمہ کر دیا پس بالکل ہوبہو یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری بات مان لی اور میری تابعداری کی اور جو احکام اللہ کی طرف سے لایا ہوں' ان کی پیروی کی اور اس شخص کی جس نے میری نافرمانی کی اور میری لائی ہوئی سچی بات کی تکذیب کی اور اس کو جھٹلایا یعنی آپ ﷺ کی تابعداری کرنے والا نجات پائے گا اور نافرمانی کرنے والا ہلاک و برباد ہوگا۔''(8)

حدیث کی استقلالی حیثیت:

قال اللہ تعالیٰ: یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول. (النساء: 59)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں' ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو۔''

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری و

لازم ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے اور "اطیعوا" کے صیغہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکرر لا کر یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری اور لازمی ہے۔ "اولوالامر" کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کا فیصلہ اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو ورنہ اسے ردّ کیا جائے گا۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:(9)

"اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور "اطیعوا" کے صیغہ کا اعادہ اس بات کو بتلانے کے لئے کیا کہ رسول ﷺ کی اطاعت بھی بغیر اس کے کہ آپ ﷺ کے اوامر کتاب اللہ پر پیش کر کے دیکھے جائیں (قرآن کے موافق ہیں کہ نہیں) مستقل طور پر واجب ہیں بلکہ آپ ﷺ جب بھی حکم دیں تو اس کی اطاعت مطلقاً فرض ہے۔ خواہ وہ حکم کتاب اللہ میں موجود ہو یا نہ ہو اس کے برعکس ہمیں "اولوالامر" کی اطاعت کا استقلالاً حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہاں "اطیعوا" فعل کو حذف کر کے ان کی اطاعت کو رسول ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں کر دیا۔ اس بات کو بتلانے کے لئے ان کے حاکموں (یا فقہاء و مجتہدین) کی اطاعت اس صورت میں ضروری ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق ہوں۔ اگر اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کے خلاف وہ حکم دے دیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے گی۔"

حدیث میں آیا ہے:

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (10)

"خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔"

حافظ ابن قیمؒ مزید فرماتے ہیں:(11)

"فرمان الٰہی: فان تنازعتم فی شئی میں "شئی" نکرہ ہے جو سیاق شرط میں آیا ہے اس لئے وہ ان تمام دینی مسائل پر جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہو چھوٹے ہوں یا بڑے، ظاہر ہوں یا خفی سب کو شامل ہے اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں ان چیزوں کے حکم کا پورا بیان ہی نہ ہوتا کہ جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہو سکتا ہے تو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ دیا جاتا....."

"(ان میں ایک نکتہ یہ بھی ہے) کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ سے بذات خود فیصلے کرائے جائیں اور آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی حدیث (سنت) کی طرف رجوع کیا جائے۔" (انتہیٰ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستورِ عمل برابر یہی رہا کہ جب بھی ان کو کوئی معاملہ پیش آیا تو اولاً قرآن کریم میں تلاش کیا، اگر اس میں نہ مل سکا تو سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔

اگر سنت میں بھی نہ مل سکا تو اہل علم کے مشورے سے کتاب و سنت سے اس کا حکم استنباط کیا۔

سیرت و کردار میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی ضروری ہے:

قرآن مجید نے نبی پاک ﷺ کے متعلق اُمت کو حکم دیا ہے کہ "اتباع" کرو یا "اطاعت" کرو اور بعض مقامات پر "اسوۃ" پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع (پیروی) صرف آپ کے فرمان اور احکام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری زندگی میں عبادات ہوں یا معاملات' اخلاق ہوں یا عادات' ہر چیز میں آپ ﷺ کی سیرت کو نمونہ بنانا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی ہر ہر حرکات و سکنات' کردار و افعال ہمارے لئے حجت اور بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو ہم بطور حجت اور نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ یہ مقام اُمت میں سے کسی اور کے لئے حاصل نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ کان والیوم الاخرہ و ذکر اللہ کثیرا. (الاحزاب: 21)

"تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو"

ابن کثیرؒ اس آیت کی تشریح فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ کے اندر نبی پاک ﷺ کی سیرت پاک (اقوال و افعال اور کردار) کو بطور نمونہ اور حجت پیش کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سیرت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے۔"(12)

جس سیاق و سباق میں یہ آیت ارشاد ہوئی ہے اس کے لحاظ سے رسول پاک ﷺ کے طرز عمل کو اس جگہ پر پیش کرنے سے مقصود ان لوگوں کو سبق دینا تھا جنہوں نے جنگ احزاب کے موقع پر مفاد پرستی اور عافیت کوشی سے کام لیا تھا۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ایمان و اسلام اور اتباع رسول ﷺ کے مدعی تھے۔ تم کو دیکھنا چاہئے تھا کہ جس رسول ﷺ کے پیروؤں میں تم شامل ہوئے ہو' اُس کا اس موقع پر کیا رویہ تھا۔ اگر کسی گروہ کا یہ لیڈر خود عافیت کوش ہو' خود آرام طلب ہو' خود اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کو مقدم رکھتا ہو' خطرے کے وقت خود بھاگ نکلنے تیاریاں کر رہا ہو' پھر تو اس کے پیروؤں کی طرف سے ان کمزوریوں کا اظہار معقول ہو سکتا ہے مگر یہاں تو رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ ﷺ نے دوسروں سے مطالبہ کیا' اسے خود برداشت کرنے میں آپ ﷺ خود سب کے ساتھ شریک تھے بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ ﷺ نے حصہ لیا۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اُٹھائی ہو اور آپ ﷺ نے نہ اُٹھائی ہو۔ خندق کھودنے والوں میں آپ ﷺ خود شامل تھے' بھوک اور سردی کی تکلیفیں اُٹھانے

میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ ﷺ کا حصہ بالکل برابر کا تھا۔ محاصرے کے دوران میں آپ ﷺ ہر وقت محاذ جنگ پر موجود رہے اور ایک لمحے کے لئے بھی دشمن کے مقابلے سے نہ ہٹے جس مقصد کے لئے آپ ﷺ دوسروں سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے' اُس پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ خود اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے جو کوئی بھی آپ ﷺ کے اتباع کا مدعی تھا اسے یہ نمونہ دیکھ کر اس کی پیروی کرنی چاہئے تھی۔

یہ تو موقع و محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہے مگر اس کے الفاظ عام ہیں اور اس کے منشاء کو صرف اس معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف اس لحاظ سے اس کے رسول کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے بلکہ مطلق اسے نمونہ قرار دیا ہے' لہذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں آپ ﷺ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ کی زندگی سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت و کردار کو ڈھالیں۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

ولو ان امراء قال: لا تاخذ الا ما فی القران لکان کافرا باجماع الامة ولکان لا یلزمه الا رکعة ما بین دلوک الشمس الی غسق الیل واخری عندالفجر لان ذلک هو اقل ما یقع علیه اسمه صلاة ولاحد للاکثر فی ذلک و قائل هذا کافر مشرک حلال الدم والمال.(13)

''اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہم صرف اس کو لیں گے (اس کو مانیں گے) جو قرآن میں ہے تو وہ شخص باجماع اُمت کافر ہوگا اور ایسا عقیدہ رکھنے والے پر (بجائے پانچ نمازوں کے) صرف ایک رکعت سورج ڈھلنے کے بعد سے رات تک اور دوسری فجر کے وقت لازم ہوگی۔ اس لئے یہ ہی کم از کم وہ درجہ ہے جس پر نماز کا اطلاق ہوتا ہے اور زیادہ کی اس سلسلہ میں کوئی حد نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر و مشرک ہے جس کی جان و مال محفوظ نہیں۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:(14)

''اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو فرض کر دیا ہے اور مخلوق کے کسی عذر کو اس امر کے خلاف جو حضرت رسول اللہ ﷺ سے ملا ہو' قبول نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دین کے معاملہ میں آپ ﷺ کا محتاج بنایا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کی ضمانت دی ہے' وہاں پر سنت نبوی ﷺ کی حفاظت کی ضمانت دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. (الحجر: 9)

''بے شک ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

"ذکر" میں جس طرح قرآن مجید شامل ہے اسی طرح احادیث بھی شامل ہیں اور جس طرح قرآن (کلام اللہ) محفوظ ہے اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کی ضمانت دی ہے اسی طرح حدیث بھی محفوظ ہے۔ اس لئے قرآن اصل (یا متن) ہے اور حدیث اس کی شرح ہے لہٰذا متن سے مکمل استفادہ کرنے کے لئے شرح کی بھی ضرورت پڑتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفاظ اور علوم قرآنی کے ماہرین کے ذریعے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ہے اسی طرح حفاظ حدیث اور ماہرین علوم حدیث کے ذریعے حدیث کی حفاظت فرمائی۔ علماء حدیث رحمہم اللہ نے احادیث کے اندر دست اندازی کرنے والوں کو بے نقاب کیا اور حدیث صحیح اور ضعیف کو اچھی طرح پرکھ لیا اور اس پر باقاعدہ اصول مرتب کیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء!

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:(15)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) آیت مذکورہ کی روشنی فرماتے ہیں یہ بات بالکل درست ہے کہ نبی پاک ﷺ کا کلام (فرمان) تمام کا تمام اللہ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اس کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے وہ یقیناً محفوظ رہے گی اور اس میں سے کسی چیز کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں لہٰذا کلام نبوی ہم تک سب کا سب منقول ہو چکا ہے اور اس بناء پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہم پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو چکی ہے۔"

ابن حزمؒ مزید فرماتے ہیں:(16)

"ذکر ان تمام چیزوں کا نام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا۔ قرآن کریم ہو یا وہ سنت جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف اس لئے کی گئی تاکہ آپ اس کے ذریعے قرآن کریم کی تفصیل بیان کریں۔ قرآن کریم میں بہت سے احکام مجمل ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے بارے میں ہمیں یہ علم ہی نہیں کہ اس لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا فرض کیا ہے؟ جو کچھ معلوم ہوا وہ نبی پاک ﷺ کے بیان سے ہی معلوم ہوا۔ اب اگر نبی کریم ﷺ کا بیان ان مجمل احکام کے بارے میں غیر محفوظ ہو اور نہ غیر کی ملاوٹ سے اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہو تو پھر قرآن کریم کے صریح احکام سے نفع اُٹھانا ناممکن ہو جائے گا کیونکہ دین کے اکثر احکام ہم معلوم نہ کر سکیں گے۔"

قرآنی مجملات کی سنت میں تفصیل:

قرآن مجید کے اندر نماز کے متعلق اتنا حکم ہے کہ نماز قائم کرو۔ نماز کا طریقہ، اوقات، رکعات وغیرہ کی تفصیل صرف سنت کے ذریعے معلوم ہوئی۔ آپ ﷺ کی عملی زندگی ایک قرآن

مجید کی عملی تشریح ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

صلوا کما رایتمونی اصلی.[17]

''جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔''

اسی طرح طرح زکوٰۃ کا حکم قرآن مجید میں اجمالاً دیا گیا' اس کی تفصیل و توضیح سنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح حج کا حکم قرآن میں مجملاً بیان ہوا ہے۔ اس کی تفصیل آپ ﷺ کی سنت کے ذریعے ثابت ہوتی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

خذوا عنی مناسککم.[18]

''مجھ ﷺ سے احکام سیکھو۔''

غرض نبی پاک ﷺ کے فرامین مبارکہ اقوال و افعال و تقاریر کو مارنے بغیر قرآن مجید کا سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور اتباع نہ کی جائے' نجات اُخروی و فلاح ناممکن ہے۔ مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا: کیا **الخیط الابیض** اور **الخیط الاسود** سے دو دھاگے مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: **لابل ھو سواد الیل و بیاض النھار** نہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔[19]

جب یہ آیت اُتری:

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون. (الانعام: 82)

''جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا انہوں نے یقین میں کوئی ظلم ان کے لئے امن اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔''

تو صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہوئی اور خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اینا لا یظلم نفسه.

''یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہیں کیا۔''[20]

تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''ظلم سے مراد شرک ہے جو سب سے بڑا ظلم ہے۔''

اسی طرح جب یہ آیت اُتری جس میں اللہ تعالیٰ نے چاندی سونے کو جمع کرنے اور اس کو خرچ نہ کرنے والوں کو یہ فرما کر سخت عذاب سے ڈرایا:

والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم. (التوبہ: 3)

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت پریشان ہوئے اور حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس پریشانی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کی زکوٰۃ ہر سال نکال دو گے تو پھر وہ ''کنز'' نہیں ہو گا بلکہ بالکل پاک صاف ہو جائے گا۔

یہ چند وضاحتیں بطور مثال پیش کی گئی ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے پوری تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔[21] کتاب اللہ کی جامعیت اور اس کی صحیح مراد سمجھنے کے لئے ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت ہے جو اپنی عقل سے نہیں بلکہ اللہ کی ہدایت کے مطابق حسب ضرورت اس کی تفصیل کرتا ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ اگر کوئی معلم نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ معلم کے ساتھ کتاب نہ ہو۔ اس لئے کتاب اللہ کا رشتہ رسول اللہ ﷺ سے ہرگز قطع نہیں کیا جا سکتا جو رشتہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین ہے' وہی کتاب اللہ اور حدیث رسول کے درمیان سمجھنا چاہئے۔[22]

حدیث نبوی کا منکر کافر ہے:

علامہ ابن حزمؒ اندلسی فرماتے ہیں:

''ہر وہ شخص جو رسول کریم ﷺ سے ثابت شدہ حدیث کا انکار کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو نبی پاک ﷺ سے مروی و منقول ہو اور اس پر اہل ایمان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو تو وہ شخص کافر ہے۔''

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصلبه جهنم و ساء ت مصیرا. (النساء: 115)

''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو وہ جدھر چلتا ہے ہم اسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

من رد حدیث رسول اللہ ﷺ فهو علی شفا هلکة.[23]

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پڑا ہے۔''

اور امام ابن شہاب زہریؒ (126ھ) سے منقول ہے کہ ''ہمیں اہل علم صحابہؓ سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے کہ **الاعتصام بالسنن نجاة** سنتوں پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے۔''[24]

سنت نبوی بھی وحی پر مبنی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کسی مومن کو قطعاً کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی شک ہے کہ آپ ﷺ اُمت مسلمہ کے ہادی اعظم اور رہبر اعظم ہونے کے ساتھ قرآن کریم کے شارح و مفسر بھی تھے۔ آپ ﷺ کو دین سماوی کی تکمیل تعلیم، ترویج، تبلیغ اور اشاعت کے ساتھ پوری انسانیت کی فوز و فلاح اور خیر و نصح کے لئے بھی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ پس جب دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے، قرآن کریم اس دنیا کی اہم بنیاد ہے اور نبی ﷺ کو اس کی شرح اور جزئیات دین کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ہی مبعوث فرمایا گیا ہے تو آپ ﷺ کی بیان کردہ قرآن کی شرح اور دین کی تعلیمات کو غیر اللہ کی جانب سے سمجھنا کوئی بات نہیں ہے۔ دین اسلام جو تمام بشر کے لئے فلاح دارین کا ضامن ہے، اصلاً دو بنیادی اصول پر قائم ہے۔ قرآن اور اس کی تشریح و بیان جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے عبارت ہے۔ اگر قرآن کریم کے ساتھ اس جز کو شامل نہ کیا جائے تو بلاشبہ دین نامکمل رہتا ہے۔ پس تکمیل دین کا تقاضا ہے کہ جن چیزوں کا صدور رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے وہ بھی وحی الٰہی پر مبنی ہوں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى. (النجم: 43)

''رسول اللہ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں فرماتے۔ آپ کا ارشاد وحی سے ہوتا ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

اس چیز پر اور بھی بہت آیات دلالت کرتی ہیں چنانچہ اجماع اُمت سے جو چیز حاصل اور ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ سنت بھی وحی ہے۔ جو چیز قرآن اور سنت میں امتیاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن معجز متلو ہے اور سنت غیر متلو ہے۔ ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے سنت کا وحی منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

-1 قرآن کریم میں ہے:

واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حديثا فلما نبات به واظهره الله عليه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العليم الخبير. (التحریم: 3)

''اور جب نبی ﷺ نے کسی وجہ سے اپنی ایک بات چپکے سے فرمائی مگر جب آپ کی اس زوجہ نے وہ بات (دوسری بیویوں کو) بتا دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے باخبر کر دیا تو آپ نے (اس راز کو ظاہر کرنے والی بیوی کو) تھوڑی سی بات جتلائی تو وہ کہنے لگی آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے علیم (یعنی جاننے والے) اور خبیر (یعنی بڑی خبر رکھنے

والے) نے مطلع کیا ہے۔"

لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی علیم وخبیر کا اپنے نبی کو اس بات سے مطلع کرنا مذکور نہیں کہ آپ ﷺ کی اس زوجہ نے آپ کا راز دوسری بیویوں کو بھی بتا دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ کے پاس وحی آتی تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ کو اس واقعہ سے باخبر کیا گیا تھا۔

-2 اور ارشاد ہوتا ہے:

ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علیٰ اصولها فباذن الله. (الحشر: 5)

"جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹے یا اُن کو جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہی حکم (اور رضا) کے مطابق ہے۔"

لیکن مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودی قبیلہ بنونضیر کی بدعہدی کے نتیجہ میں کی جانے والی اس تادیبی کارروائی میں جس "اذن الٰہی" کا تذکرہ ہے، وہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ما قطعتم من لینة وما ترکتم من الاتجار فالجمیع باذنه و مشیة و قدره و رضاه و فیه نکایة بالعدو وخزی لهم.[25]

-3 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلما قضی زید منها و طراز و جنکها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطرا. (الاحزاب: 37)

"پس جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں بیٹیوں کے (نکاح کے) بارے میں کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے اپنا جی بھر چکیں۔"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب (سابقہ زوجہ حضرت زید بن حارثہؓ) سے شادی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کی تھی لیکن قرآن میں یہ اذن کہیں مذکور نہیں ہے البتہ مختلف احادیث میں بصراحت مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی یہ شادی اللہ کے اذن سے ہی ہوئی تھی۔

-4 ارشاد ہوتا ہے:

واذ یعدکم احدی الطائفتین انها لکم. (الانفال: 7)

"اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی۔"

کیا بغیر اجازت کی مدد کے کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ دو جماعتیں کون تھیں اور اللہ تعالے جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے' وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں مذکور ہے؟ اگر قرآن میں نہیں تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اب ذیل میں سنت نبوی ﷺ کے وحی من عنداللہ ہونے کے بارے میں بعض احادیث و آثار ملاحظہ فرمائیں:

مقدام بن معد یکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا انحد اوتیت القرآن و مثله الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وان ماحرم رسول الله کما حرم الله. (26)

''آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک اور چیز۔ عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھامے رہو' جو چیز اس میں حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو لیکن خبردار رہو کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی طرح حرام ہے۔''

اس حدیث میں نبی پاک ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح و تفسیر بھی بارگاہ الٰہی سے عطا کی گئی ہے۔ اسی کے پیش نظر آپ ﷺ قرآنی آیات کی تخصیص فرماتے' ان کی تشریح و توضیح فرماتے' بعض احکام کو منسوخ فرماتے اور اس کے بعض احکام پر اضافہ فرماتے تھے۔ پس آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر قرآن واجب العمل اور لازم القبول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب و لزوم' سنت کے وحی ہونے کے باعث ہی ہے۔ اسی حدیث میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ وحی متلو کے علاوہ بھی وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے۔ اس کی تائید آیت ''**وما ینطق الهوی ان هو الا وحی یوحی**'' سے ہوتی ہے۔

شامی ثقہ تابعی حضرت حسان بن عطیہ سے بسند صحیح مروی ہے:

کان جبریل علیه السلام ینزل علی رسول الله ﷺ بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن و یعلمه کما یعلمه القرآن. (27)

''جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح کہ آپ پر قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اور آپ ﷺ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن سکھاتے تھے۔''

امام ابن حزمؒ نے اپنی سند سے ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے فرمایا:

کان رسول الله ﷺ یسئال عن الشئی فلا یجیب حتی یاتیه الوحی من السماء. (28)

''اگر رسول اللہ ﷺ سے کسی بارے میں کوئی سوال پوچھا جاتا تو آپ ﷺ اس کا جواب نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاس آسمان سے وحی آ جاتی۔''

جملہ محدثین بالخصوص امام ابن حزم اندلسیؒ وغیرہ کا یہ خیال ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے متعلق فرماتا ہے:

وما ینطق عنی الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم: 3)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون. (الحجر: 9)

اور:

لتبین للناس ما نزل الیھم.

ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر ارشاد دین میں داخل اور اللہ عزوجل کی جانب سے بھیجی ہوئی وحی ہے۔ اس بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس بارے میں کسی اہل لغت یا کسی اہل شریعت نے اختلاف کیا ہے کہ اللہ عزوجل کی جانب سے نازل ہونے والی ہر وحی ذکر منزل ہے۔

اور ''البیان'' یعنی بیان القرآن کلام سے عبارت ہے، پس جب نبی ﷺ قرآن کی تلاوت فرماتے تو اس کی تشریح و بیان بھی فرماتے۔ اگر قرآن کا کوئی حکم مجمل ہوتا جس کے معنی الفاظ سے پوری طرح سمجھ نہ آ سکتے ہوں تو موصولہ وحی کے ذریعے اس کی توضیح فرماتے خواہ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ہی سے مذکور ہے:

فاذا قراناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ. (القیامۃ: 18)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ قرآن کی بیان وتوضیح اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔ پس اگر یہ اس کے ذمہ ہی ہے تو نبی ﷺ کا اس کو بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب ہی سے ہوا، پس قرآن اور اس کی تفسیر ہر چیز خواہ متلو ہو یا غیر متلو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی وحی ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

وقول رسول اللہ ﷺ حجۃ لدلالۃ المعجزۃ علی صدقہ ولامر اللہ تعالیٰ ایانا باتباعہ ولانہ لا ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ولکن بعض الوحی یتلی فیسمی کتابا و بعضہ لا یتلی وھو السنۃ.[29]

شیخ جمال الدین قاسمیؒ اپنی کتاب ''قواعد التحدیث'' میں جمہور محدثین کی اتباع میں ایک عنوان یوں حکم فرمایا ہے:

ماروی ان الحدیث من الوحی.[30]

امین احسن اصلاحی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:(31)

''جس طرح نبی ﷺ نے احکامی آیات کے اجمالات کی وضاحت فرمائی' اس طرح حکمت کے دقیق اشارات قرآن میں ہیں' ان کی وضاحت فرمائی' یہی چیز ہے جس کی بابت نبی ﷺ نے فرمایا:

الا انی اوتیت القرآن و مثله معه.

''دیکھو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اور بھی''

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایہ قرآن ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استدلال اور اخذ مسائل کے وقت حدیث نبوی کا حکم بھی قرآن کریم کی طرح وحی الٰہی کا ہی ہے کیونکہ اس کا علم بھی نبی کریم ﷺ کو اسی طرح دیا گیا ہے جس طرح کہ قرآن کا لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ جس طرح نماز میں قرأت پڑھی جاتی ہے اسی طرح حدیث بھی نماز میں پڑھی جا سکتی ہے۔

سنت نبوی ﷺ بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے:

ہمارا یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفاظ کو قرآن محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی' اس طرح حفاظ حدیث کو بھی احادیث نبوی ﷺ کی حفاظت کی توفیق بخشی ہے کیونکہ اگر حدیث دین ہے تو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی حق تعالیٰ کو ہی ہونا چاہئے ورنہ دین ناقص رہ جائے گا۔ بعض لوگ بلاوجہ یہاں اس بے اطمینانی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ''رواۃ اور حفاظ حدیث بہرحال تھے تو انسان ہی' انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں' ان کے آگے تو وہ بھی نہیں جا سکتے تھے (پس) انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے' اس سے تو ان (حفاظ حدیث) کے کام بھی محفوظ نہ تھے۔''

لیکن یہ بے اطمینانی دراصل تحفظ دین کے بنیادی فلسفہ اور طریقہ کار سے لاعلمی کا نتیجہ ہے جس طرح اجماع اُمت میں ہر فرد محفوظ نہیں ہوتا لیکن بحیثیت مجموعی مجتہدین کو عصمت کا مقام حاصل ہوتا ہے' ٹھیک یہی صورت حفاظ قرآن کی بھی ہے۔ کسی نے ان کو غیر انسان یا اللہ کی مقرر کردہ فطری حدود سے ماوراء نہیں سمجھا' پھر کیا وجہ ہے کہ احادیث نبوی کو روایت کرنے والے وہی صحابہؓ رواۃ اور حفاظ جنہوں نے قرآن کو حفظ و نقل کیا ہے' حفظ و روایت قرآن میں تو معتبر پائے جائیں لیکن روایت حدیث میں انہیں مشتبہ سمجھا جائے۔ اگر وہ لوگ نقل و روایت اور ضبط و حفاظت کے معاملہ میں تحریف و تساہل کے خوگر تھے تو جس طرح ان غیر محتاط رواۃ کی روایت کردہ احادیث ناقابل اعتماد ہیں' اسی طرح ان کی روایت و نقل سے آئی ہوئی آیات اللہ

(قرآن) کا بھی اعتبار باقی نہیں رہنا چاہئے لیکن ایسا کوئی بھی شخص نہیں کہتا۔

سالوں قبل ان جیسے شکوک وشبہات کا علامہ شریک بن عبداللہ نخعی القاضی نے کیا خوب جواب دیا تھا:

''جن لوگوں نے ان احادیث کونقل کیا ہے' انہی لوگوں نے قرآن کو بھی نقل کیا ہے اور یہ بات کہ نماز پانچ وقت کی ہے' اسی طرح حج بیت اللہ اور رمضان کے روزوں کی تفصیلات وغیرہ سبھی چیزیں انہی لوگوں سے منقول ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو انہی احادیث کے ذریعے پہچان سکتے ہیں لہٰذا شبہ وانکار کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے۔''(32)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم. (النحل: 44)

''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اُتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (اس کے احکام) کھول کر بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''ذکر'' کی تعیین کے متعلق اختلاف رائے ہوسکتا ہے' ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی ہر وحی (قرآن وسنت) ہے۔ اگر ''ذکر'' کے معنی صرف قرآن سمجھے جائیں تو دوسری آیت **''انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون''** کی رُو سے سنت تو غیر محفوظ قرار پائے گی۔ اگر سنت غیر محفوظ ہوئی تو اس میں اکاذیب' اباطیل اور افتراعات کا دخل ممکن ہوا جو شریعت کے فساد و ابطال کے لئے کافی ہے حالانکہ دین کے غیر محفوظ ہونے کا سوءِ ظن کسی کو نہیں ہے۔ پس ''ذکر'' کا اطلاق قرآن وسنت دونوں پر یکساں طور پر کرنا محقق ہوا۔

''ذکر'' کے بارے میں علامہ ابن حزم کا مؤقف پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے:

ملائکة حراس السماء واصحاب الحدیث حراس الارض.

''فرشتے آسمان کے نگہبان ہیں اور محدثین زمین کے۔''(33)

اور یزید بن زریعؒ فرماتے ہیں:

لکل دین فرسان و فرسان ھذا الدین اصحاب الاسانید.(34)

اور امام دارقطنی کا قول ہے:

یا اھل البغداد لا تظنوا ان احدا یقدر یکذب علی رسول الله وانا حی.

''اے اہل بغداد! یہ نہ سمجھو کہ تم میں سے کوئی نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔''

امام ابن حزمؒ نے خبر واحد کے متعلق جو مؤقف اختیار فرمایا ہے' وہ یوں ہے:

خبر واحد میں شبہات اصلا سند کی وجہ سے ہی ہیں لیکن جب ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے براہ راست صحابہ کرامؓ نے سنا تو اس وقت نہ کوئی سند تھی (سند کا مطلب ہے کہ ناموں کا وہ سلسلہ جو ہم تک پہنچا ہے) اور نہ کوئی شک و شبہ گویا تب دین محفوظ تھا تو کیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وعدہ کی مدت یہیں پر ختم ہوگئی؟ مستقبل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ فرمایا کہ کذاب، وضاعین اور مفتری بآسانی دین حق پر غالب آ گئے؟ اگر ایسا نہیں تو بلاشبہ دین تا قیامت محفوظ ہوگا پس ثابت ہوا کہ یقیناً کسی عادل راوی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے والی ہر متصل خبر واحد قطعی، موجب عمل اور موجب علم ہے۔[35]

جناب مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ یہی قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے۔'' (واللہ اعلم!) [36]

سیّد مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہؓ کے آثار و اخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی دور کے حالات کے لئے نہیں کیں۔ معتبر ذرائع سے انہوں نے احادیث کی تنقید و تنقیح کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ ایسے ہیں کہ کسی دور گزشتہ کے حالات میں تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقل انسانی نے آج تک دریافت نہیں کئے۔ تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں، وہ سب اس گروہ نے استعمال کئے اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی، درحقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق شامل حال رہی ہے اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اسی نے اپنے آخری نبی ﷺ کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔''[37]

عدم اتباع سنت، انکار رسالت کے مترادف ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ. (النساء: 64)

''ہم نے رسول ﷺ کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے تاکہ بحکم الٰہی ان کی اطاعت کی جائے۔''

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلاله مبينا. (الاحزاب: 36)

''جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد اور نہ کسی مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی رہ جاتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا' وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا وغیرہ۔''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم آ جائے تو ہمارے لئے کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا۔ جو شخص ایسی حالت میں التزام و ترک کے لئے اپنی ذاتی رائے کو اختیار کرے یا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بجائے کسی دوسرے کے قول کی طرف رجوع کرے تو ان نصوص کی روشنی میں یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ ایسے شخص کا ایمان غیر معتبر ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی اتباع کو ہی ''کمال ابتدائے ایمان'' قرار دیا ہے۔ پس اگر اللہ کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر تو ایمان لایا لیکن اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو اس پر ہرگز ''کمال ابتدائے ایمان'' کا اطلاق نہ ہوگا۔ جب تک کہ وہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول پر ایمان نہ لائے۔''

وهكذا من رسول الله في كل من امتحنه للايمان.[38]

امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے:

من رد حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة.[39]

''جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کرتا ہے' وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پہنچا۔''

ابن حزمؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''اور جس شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی خبر آئے اور وہ اقرار کرے کہ وہ خبر صحیح سے یا اس کے مثل سے حجت قائم ہے۔ یا اس جیسی خبر کسی دوسرے مقام پر ثابت ہے پھر اس مقام پر اس کے مثل سے حجت پکڑنے کو قیاس یا فلاں اور فلاں کے قول کی بناء پر ترک کر دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کام کیا' پس مصیبت میں جا گرنے اور دردناک عذاب کا مستحق ہے۔''[40]

اس لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے' آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کی جائے' آپ کی حدیث کی تصدیق کی جائے' کسی باطل خیال کو معقول سمجھ کر حدیث کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے' اسے شک و شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے' لوگوں کی رائے کو اس پر مقدم نہ کیا جائے' تنہا رسول اللہ ﷺ کو حکم مانا جائے اور آپ کے احکام کی پیروی کی جائے جس طرح عبادات' انابت اور خضوع و توکل کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کیا جاتا ہے۔

احادیث (سنت) رسول پر اعتراضات اور اس کے جواب:

پہلا اعتراض یہ اُٹھایا گیا کہ حدیث ظنی ہے یعنی قطعی نہیں۔

ظن کا لفظ عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں مستعمل ہے لیکن اُردو میں اس کا استعمال شک و وہم کے مفہوم میں ہوتا ہے عموماً مشکوک، موہوم، مظنون وغیرہ الفاظ بصورت مترادف استعمال کئے جاتے ہیں اور یہی استعمال ہمارے معترضین (منکرین) سنت حضرات کے لئے لغزش کا موجب ہوا۔

ورنہ عربی زبان میں یہ لفظ بلاقرینہ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں ''ظن'' سے مراد یقین کے معنی مراد لینے کی مثالیں درج ذیل ہیں:

-1 الذین ایظنون انهم ملا قوا ربهم. (بقرہ: 46)
''انہی یقین ہے کہ وہ اللہ سے ملتی ہے۔''

-2 الا یظن اولئک انهم مبعوثون لیوم عظیم. (مطففین: 4)
''کیا انہیں یقین ہے کہ وہ ضرور اُٹھیں گے۔''

-3 وظن انه الفراق. (قیامہ: 68)
''اسے یقین ہوتا ہے کہ اب جان گئی۔''

-4 وانهم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث الله احدا. (الجن: 17)
''انہیں بھی تمہاری طرح یقین تھا کہ اللہ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔''

جہاں ''ظن'' کو حق کے مقابل ذکر کیا گیا ہے، وہاں شک اور وہم کے معنی پر استعمال ہوا ہے۔

ان الظن لا یغنی من الحق شیا.
''ظن (گمان) حق کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔''

-5 ان یتبعون الاالظن وما تهوی الانفس. (النجم: 23)
''یہ لوگ ظن اور ہوائے نفس کے تابع ہیں۔''

شریعت اسلامیہ میں ''ظن'' کی اہمیت:

عام دنیا کو جانے دیجئے، شریعت پر مظنون چیزوں کو استناد کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ محکمہ قضاء شرعی اُحکام پر بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ہر قاضی جو فیصلہ کرتا ہے وہ صحیح ہی ہوتا ہے۔ بددیانت قضاۃ (قاضیوں) کو چھوڑیئے، دیانت دار قاضی بھی اس سے بری نہیں، بالکل ممکن ہے کہ وہ بڑی نیک نیتی سے فیصلہ کرے لیکن وہ واقعہ صحیح نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض تو میرے پاس اپنا عندیہ بڑی فصاحت اور بلاغت سے بیان کرتے ہیں، میں ان کے حق

پر فیصلہ صادر کرتا ہوں لیکن واقعتہً وہ فیصلہ درست نہیں ہوتا اس لئے میرا یہ فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔''

جب رسول اللہ ﷺ اپنے فیصلوں کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں تو یقین اور قطعیت کہاں سے آئے گی۔

شہادت (گواہ):

محکمہ قضاء کا تمام تر انحصار شہادت اور قرائن پر ہے لیکن ہمیں ہدایتہً معلوم ہے کہ شہادت غلط بھی ہوتی ہے، غلط فہمی پر بھی مبنی ہو سکتی ہے۔ اس کی صحت بھی بہرکیف ظنی ہے اور اسی ظن ہی کی بنیاد پر تمام عدالتیں موجود ہیں۔

یہ دین اور دنیا کی برکات کا حصول اور ان کے مفاسد سے بچنے کے تمام ذرائع ظن ہیں۔ دونوں جہان کے مصالح کی تحصیل اور مفاسد سے بچنے میں بظاہر اعتماد ظن پر ہے۔

اسی طرح دنیادار اور جس قدر کاروبار کرتے ہیں، وہ حسن ظن ہی کی بناء پر کرتے ہیں۔ ہمیں حسن ظن کے اگر اسباب میسر آ جائیں تو غالباً یہ معاملات صحیح اور درست ہو جائیں گے۔ لوگ تجارتی سفر اسی ظن کی بناء پر کرتے ہیں کہ وہ صحیح و سلامت بھی رہیں گے اور اُن کو فائدہ بھی ہو گا۔ کسان کھیتی باڑی اس حسن ظن کی بناء پر کرتے ہیں کہ انہیں اس سے آمدنی ہو گی۔ اونٹ، خچروں کے مالک بھی حسن ظن ہی کی بناء پر نکلتے ہیں کہ انہیں اُجرت میسر آ جائے گی۔

بادشاہ اس خیال سے لشکرکشی کرتے ہیں، قلعے تعمیر کرتے ہیں کہ انہیں فتح حاصل ہو گی۔

علماء بھی اسی ظن سے علوم پڑھتے ہیں کہ انہیں امتیازی مقام حاصل ہو گا اور مناظر اور مجتہد ادلہ میں زیادہ تر اعتماد ظنیات پر ہی کرتے ہیں اور کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔ بیمار بھی علاج میں اسی لئے کوشش کرتے ہیں کہ شاید انہیں شفاء حاصل ہو گی اور اکثر اوقات یہ ظن صحیح اور درست ثابت ہوتا ہے، غلط اور جھوٹ نہیں ہوتا۔ ان مصالح کو معطل کرنا، اس لئے کہ ان میں کبھی کبھی ناکامی بھی ہو جاتی ہے اور نادر طور پر یہ ظن درست ثابت نہیں ہوتے محض جہالت اور نادانی ہے۔

ظاہر ہے کہ ساری کائنات دنیا بااُمید قائم کی بنیاد پر چل رہی ہے۔ شارع نے بھی اپنے اکثر احکام کی بنیاد ظن پر رکھی ہے۔ متمدن دنیا کے مختلف طبقات بھی ظن اور اُمید ہی کے سہارے پر چل رہے ہیں۔ شارع نے بھی اپنے اکثر احکام کی بنیاد ظن پر رکھی ہے۔ متمدن دنیا کے مختلف طبقات بھی ظن اور اُمیدی کے سہارے پر چل رہے ہیں۔ آئمہ حدیث نے حدیث پر تنقید، تصحیح اور تضعیف کی بنیاد عام دنیا کے بالمقابل کہیں زیادہ یقینی امور پر رکھی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اصطلاح کے لئے ظن کا لفظ پسند فرمایا جسے ہمارے منکرین حدیث نے ''شک و شبہ'' کے معنی

میں لے کر اس کا انکار کر دیا ہے۔ یہ غلطی زبان اور اس کے تصرفات سے لاعلمی کی بناء پر ہوئی۔ عربی زبان میں ''مکر'' تدبیر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا' پھر بُری تدبیر کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ جب اسے اُردو اور پنجابی میں استعمال کیا گیا تو اس کا معنی دھوکا اور فریب کیا گیا۔

ایک اور اعتراض:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ما فرطنا فی الکتاب من شیئی. (الانعام: 38)

''ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔''

اور یہ بھی ارشاد ہے:

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئی. (النحل: 89)

''اور اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا۔''

مندرجہ بالا آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم دین کے تمام امور' تفصیلات اور احکامات' لوازمات وضروریات پر حاوی ہے اور اس کے اندر ہر مسئلہ کی تبیین اور تفصیل موجود ہے۔ اب اس کے بعد کسی اور کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو قرآن کا دعویٰ غلط ہو گا۔ **نعوذ باللہ من ذلک!**

جواب: یہ بات مسلم ہے کہ دین کے اصول اور احکام شریعت کے قواعد وکلیات پر قرآن کریم حاوی ہے۔ ان میں بعض پر قرآن میں صراحتاً نص موجود ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دیا تاکہ آپ ﷺ اس کی تبیین اور تشریح کریں ارو پھر یہ کہ قرآن اصولی کتاب ہے اور نبی پاک ﷺ کی سنت میں اس کی تشریح موجود ہے لہٰذا حجت ہونے کے اعتبار سے قرآن اور سنت میں کوئی فرق نہیں اور یہ مفہوم بھی ہے کہ دین کے بنیادی اصول اور شریعت کے اساسی احکام کو پوری وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ لفظ ''کل'' استغراق حقیقی (یعنی ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو) چاہتا ہے' غلط ہے اس لئے لفظ ''کل'' یہاں پر استغراق کے لئے نہیں ہے بلکہ اسی طرح جس طرح کہ آیت کریمہ مندرجہ ذیل میں:

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق. (الحج: 17)

مندرجہ بالا آیت میں اونٹوں کے تمام افراد کے لئے لفظ ''کل'' مستعمل نہیں ہوا۔ اسی طرح ملکہ سبا کے بارے میں فرمایا:

واوتیت من کل شیئی. (النمل: 63)

''ملکہ سبا کو دنیا کی ہر چیز تو نہیں دی گئی تھی۔''

لہٰذا یہاں پر ''کل'' استغراق کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح "تبیانا لکل شیئی" وغیرہ میں لفظ ''کل'' استغراق حقیقی کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بنیادی اصول اور شریعت کے احکام اسی میں موجود ہیں' تفصیل سنت رسول ﷺ میں موجود ہے۔

ما فرطنا فی الکتاب من شیئی.

کا جواب یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے' قرآن مجید مراد نہیں۔ سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مزید ملاحظہ ہو..... الانعام آیت 38 اور آیت 59

اگر قرآن بھی مراد لیا جائے تب اس سے سنت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس کا مطلب وہی ہوگا جو تبیانا لکل شیئی اور تفصیل کل شیئی کا ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے:

اگر سنت نبوی حجت ہوتی تو نبی پاک ﷺ اس کے لکھنے کا حکم دیتے حالانکہ قرآن مجید باقاعدہ لکھا گیا۔ حدیث کے لکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه. (41)

''مجھ سے نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ اور کچھ لکھا ہو تو وہ اس کو مٹا دے۔''

یہی طرز آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سو احادیث لکھی تھیں' انہیں جلا دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس خیال کو دل سے نکال دیا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب مختصراً یوں ہے کہ کتابت حدیث کے سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح روایت ابوسعیدؓ والی حدیث ہے جس میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

اکتبوا لابی شاہ. (42)

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔''

دوسری حدیث میں فرمایا:

استعن بیمینک و اوما بیده الخط. (43)

''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کی طرف اشارہ کیا۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اکتبوا ولا حرج. (44)

''لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں''۔

ان دونوں مفاہیم میں تطبیق یوں ممکن ہے:

1- کتابت حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی تا کہ احادیث قرآن کریم سے خلط ملط نہ ہو جائیں۔ جب یہ خطرہ ٹل گیا تو یہ ممانعت بھی ختم ہو گئی اور کتابت حدیث کی اجازت ہو گئی۔[45]

2- ممانعت اسی شکل میں تھی کہ کتاب اللہ اور احادیث کو ایک ساتھ لکھا جائے' علیحدہ علیحدہ لکھنے کی اجازت تھی۔[46]

3- ممانعت صرف اس شخص کے لئے جس کا حافظہ قوی ہو اور اسے بھولنے اور اختلاط کا خوف نہ ہو۔[47]

4- ممانعت عمومی تھی لیکن خصوصی طور پر بعض حضرات کو لکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔[48]

5- لکھنے میں مہارت رکھنے والوں کو اجازت دی تھی' باقی حضرات کو منع کیا گیا تھا۔[49]

لہٰذا یہ اعتراض کہ عہد نبوی ﷺ میں احادیث ضبط تحریر میں نہیں لائی گئیں اور کتابت و تدوین حدیث کا کام نبی پاک ﷺ کی وفات کے 90 (نوے) سال بعد شروع ہوا اور اس درمیانی عرصے میں محض زبانی روایتوں پر مدار رہا' سراسر حقائق کی تکذیب ہے۔ حدیث اور تاریخ کی مستند کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے محض حافظے پر ہی اعتماد نہیں کیا بلکہ وہ احادیث ضبط تحریر میں لاتے تھے اور احادیث کا بہت بڑا سرمایہ عہد نبوی ﷺ میں ہی صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں مرتب ہو چکا تھا۔ احادیث کا یہ ذخیرہ جو صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں قلمبند ہوا' اس کی تعداد اُن احادیث سے ہرگز کم نہیں جو آج حدیث کی مستند اور مطبوعہ کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی تفصیل یوں ہے:

صحیفہ عمرو بن حزمؓ:

نبی پاک ﷺ نے زکوٰۃ' صدقات اور خون بہاء کے احکام پوری تشریح کے ساتھ عمرو بن حزمؓ کو اہل یمن کے لئے لکھوا دیئے جو صحیفہ عمرو بن حزمؓ کے نام سے موصوف ہے۔[50]

صحیفہ اہل یمن:

نبی پاک ﷺ نے اہل یمن کو بھی ایک صحیفہ لکھوا بھیجا تھا جس میں مختلف احکام تھے۔[51]

صحیفہ وائل بن حجرؓ:

حضرت وائل بن حجرؓ حضرت موت کے شہزادوں میں سے تھے' مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ کچھ دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے' جب وطن جانے لگے تو آپ

ﷺ نے ایک صحیفہ لکھوا کر انہیں دیا جس میں نماز، روزہ، شراب وغیرہ کے احکام تھے۔[52]

خطوط و وثائق:

احادیث کی ان کتابوں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں وہ خطوط و وثیقے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں بادشاہوں، قبیلوں، سرداروں اور دوسرے لوگوں کے نام لکھوائے۔ اس قسم کے خطوط و وثائق کو "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ" کے نام سے ڈاکٹر حمید اللہ نے جمع کیا ہے۔[53]

میثاق مدینہ:

میثاق مدینہ ترپن (53) دفعات پر مشتمل ہے جس میں حاکم و محکوم دونوں کے حقوق و واجبات کی تفصیل ہے۔ اس میثاق کی تدوین کے لئے مہاجرین و انصار، یہود اور غیر مسلم عربوں سے بھی مشورہ لیا گیا تھا۔

اس دستور میں پانچ مرتبہ "**اهل هذه الصحيفه**" کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔

ان تمام آثار و روایت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ چونکہ شروع میں احادیث لکھی نہیں گئیں، نہ صرف یہ بلکہ اس سے روک دیا گیا اس لئے حجت نہیں بن سکتیں۔ غور فرمائیے کہ اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے اور کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ کر انکار حدیث کی جرأت کر سکتا ہے کہ حدیث کا لکھنا شروع میں ممنوع تھا اس لئے حدیث نہیں لکھی گئی۔

بہرحال حکم و اذن کتابت کی تمام احادیث و روایات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اور سیاق و سباق عبارت کو حذف کرتے ہوئے اور حکم کی علت پر پردہ ڈالتے ہوئے محض **لاتكتبوا عنى غير القرآن** کے فقرے پر ہنگامہ بپا کرنا علمی دیانت کے یکسر منافی ہے۔

یہ بات بھی محل نظر ہے کہ وہ لوگ جن کی نظر میں یہ مجموعہ ہائے احادیث ساقط الاعتبار ہیں، بدیہی طور پر یہ حدیث بھی ان کی نظر میں ساقط الاعتبار ہونی چاہئے اور انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسی حدیث سے استدلال کریں۔ اپنی طبعی رجحانات کی تائید میں حدیث مل جائے اسے صحیح قرار دینا اور جو احادیث طبعی رجحانات کے خلاف ہوں، انہیں ناقابل اعتماد ٹھہرانا جذباتیت ہے اور علمی تحقیق اور معروضیت کے سراسر منافی ہے۔

حوالہ جات

1- صبحی صالح: علوم الحدیث و مصطلحہ، ص 6
2- زرقانی: شرح مؤطا، 4/1
3- صبحی صالح: علوم الحدیث و مصطلحہ، ص 9
4- ابن القیم: اعلام الموقعین، 48/1
5- الشافعی: الرسالہ تحقیق احمد شاکر، ص 73
6- البخاری: الصحیح مع فتح الباری کتاب الاعتصام، 218/13 (بیروت)
7- صابونی: مختصر تفسیر ابن کثیر، 177/1
8- صحیح البخاری: کتاب الاعتصام، 214/13
9- ابن القیم: اعلام الموقعین، 48/1
10- مسند احمد: 66/8
11- اعلام الموقعین: 1/49-50
12- مختصر تفسیر ابن کثیر: 88/3
13- ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام، 80/2
14- الشافعی: الرسالہ، ص 104
15- ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام، 99/1
16- ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام، 122/1
17- مسند احمد: 53/5
18- مسند احمد: 366/3
19- صحیح البخاری، کتاب التفسیر، 146/8 (بیروت)
20- صحیح البخاری، کتاب التفسیر، 236/8 (بیروت)
21- اعلام الموقعین، 230/4
22- بدر عالم: ترجمان السنۃ، 105/1
23- ابن الجوزی: المناقب، ص 182
24- ترجمان السنۃ، 138/1
25- تفسیر ابن کثیر، 333/4-334
26- سنن ابی داؤد، عون المعبود، 328/4، جامع الترمذی، مع تحفۃ الاحوذی، 374/3
27- ابن حجر: فتح الباری، 291/13 – القاسمی: قواعد التحدیث، ص 59

28- المستصفیٰ من علم الاصول' 129/1

29- قواعد التحدیث' ص 58

30- مبادئ تدبر حدیث' ص 35

31- الشریعۃ حدیث نمبر 306

32- ابن عراق تنزیہ الشریعۃ' 16/1

33- ابن عراق: تنزیہ الشریعۃ' 16/1

34- ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام' 88/1

35- معارف القرآن' 142-141/7

36- تفہیمات: 355-354/1

37- الرسالۃ: 73-75

38- ابن الجوزی: کتاب المناقب' ص 182

39- الاحکام فی اصول الاحکام' ص 89/1

40- شرح عقیدہ طحاویہ' ص 217

41- مسند احمد: 12/3

42- صحیح بخاری: 22/1

43- جامع ترمذی: 91/2

44- الرامھر مزی کما فی التدریب' ص 286

45- فتح الباری: 168/1

46- فتح الباری: 168/1

47- فتح الباری: 168/1

48- عجاج الخطیب: السنۃ قبل التدوین' ص 308

49- التراتیب الاداریہ: 247/2

50- طحاوی: شرح معانی الآثار' ص 417/2

51- مسند دارمی: ص 393

52- طبرانی صغیر: ص 242-241

53- مجموعۃ الوثائق' ص 50

حفاظت حدیث میں حفظ کی اہمیت

حفظ کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے یوں تو انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں لیکن قوت حافظہ ان میں اہم ترین نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خاص نعمت سے انسان مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت انہیں مستحضر کرکے کام میں لاتا ہے۔ انسان کا قدیم ترین اور ابتدائی طریق حفاظت ''حفظ'' تھا۔ تدریجاً وہ فن کتابت سے آشنا ہوا اور تہذیبوں کے ارتقاء کے ساتھ کتابت کو فروغ ہوا۔ تہذیبوں کے اس نشیب وفراز کے ہر دور میں حافظہ کی حیثیت مسلم رہی۔

اہل عرب قبل از بعثت نبوی ﷺ ہزاروں برس سے اپنا کام تحریر وکتابت کے بجائے حافظہ سے چلانے کے خوگر تھے۔ ان کے تاجر لاکھوں روپے کا لین دین کرتے تھے اور کوئی لکھی پڑھی دستاویز نہ ہوتی تھی۔ پائی پائی کا حساب اور سینکڑوں گاہوں کا تفصیلی حساب وتول زبان پر رکھتے تھے۔ ان کی قبائلی زندگی میں نسب اور خونی رشتوں کی بڑی اہمیت تھی، پشت ہا پشت سے نسب نامے ان کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔

عرب بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ان کے شعراء، خطباء اور ادباء ہزاروں اشعار، ضرب الامثال اور واقعات کے حافظ تھے۔ شجرہائے نسب کو محفوظ رکھنا ان کا معمول تھا بلکہ وہ تو گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے تھے۔

ان کا سارا لٹریچر بھی کاغذ پر نہ تھا بلکہ لوح قلب پر لکھا ہوا تھا۔ وہ کاغذ کی تحریر پر اعتماد کرنے کی بجائے حافظے پر اعتماد کرنے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ انہیں اس پر فخر تھا اور ان کی نگاہ سے وہ شخص گر جاتا تھا جس سے بات پوچھی جائے اور وہ زبانی بتانے کی بجائے گھر سے کتاب لا کر اس کا جواب دے۔

ان کی یہ عادت اسلام کے بعد بھی تقریباً ایک صدی تک جاری رہی کہ وہ لکھنے کے باوجود یاد کرتے تھے اور تحریر پڑھ کر سنانے کی بجائے نوک زبان سے سنانا نہ صرف باعث عزت سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک آدمی کے علم پر اعتماد بھی اس طریقہ سے قائم رہتا تھا۔

موجودہ دور میں بھی مختلف اقوام میں ایسے بے شمار افراد پائے جاتے ہیں جن کے حافظوں کو بطور نظیر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ خود مسلمان علماء میں یہ جملہ مشہور رہا:

''العلم فی الصدور لا فی الکتب.''

فی الحقیقت علم وہی ہے جو انسان کو مستحضر ہو۔ اس استحضار کے لئے حافظے کے سوا اور کوئی شئے نہیں ہے۔

خود ہندوستان میں سیّد انور شاہ کشمیری' سیّد نذیر حسین محدث دہلوی' حافظ عبدالمنان وزیرآبادی اور حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہم اللہ بے نظیر حافظے کے مالک تھے۔

عربوں اور غیر عربوں میں آج بھی اس امر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اَن پڑھ لوگ اور نابینا آدمی پڑھے لکھے اور بہت انسانوں کی نسبت زیادہ یادداشت رکھتے ہیں۔ ناخواندہ تاجروں میں ایسے لوگ بکثرت دیکھے جاتے ہیں جنہیں بہت سے گاہکوں کے ساتھ اپنا ہزار ہا روپے کا لین دین تفصیل کے ساتھ یاد رہتا ہے۔ بے شمار اندھے ایسے موجود ہیں جن کی قوت حافظہ آدمی کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ تحریر پر اعتماد کر لینے کے بعد ایک قوم کے حافظے کی وہ حالت باقی نہیں رہ سکتی جو ناخواندگی کے دور میں اس کی تھی۔

عربوں کا تعلق جب کلام الٰہی سے ہوا تو ان کو رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید سے بے پناہ عقیدت و محبت ہوئی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔ بے شمار صحابہؓ نے قرآن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ جنگ یمامہ میں تقریباً 70 حفاظ قرآن صحابہ تھے جو شہید ہو گئے جس کے خوف سے حضرت عمرؓ نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اگر اس طرح حفاظ صحابہؓ دنیا سے اٹھتے چلے گئے تو قرآن محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ان کی اس تحریک پر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کتابی شکل میں مدوّن کیا۔

یوں بھی کوئی قرآن کی آیت / سورت نازل ہوتی تو صحابہؓ اس کو ازبر کر لیتے۔ یہی تعلق ان کا حدیث رسول ﷺ سے تھا۔

حفظ حدیث' ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

حضرت انس بن مالکؓ جو آپ ﷺ کے خادم خاص تھے' کہتے ہیں:

''ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے اور حدیث سنتے جب ہم اُٹھتے تو ایک دوسرے سے دُہراتے حتیٰ کہ ہم اس کو ازبر کر لیتے۔''

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت انسؓ کہتے ہیں:

''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سنتے اور جب آپ ﷺ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا' اکثر رسول اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہو جاتی اور وہ سب باری باری بیان کرتے۔ پھر ہم اُٹھتے تو حدیثیں یوں یاد ہوتیں کہ گویا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہو گئی ہیں۔''(1)

صحابہؓ زیادہ تر حفاظت حدیث کے سلسلہ میں سفینہ کے بجائے سینہ پر اعتماد کرتے تھے۔ ڈاکٹر صبحی صالح حفاظت حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''حضورﷺ کا کتابت حدیث سے منع کرنا اور حفظ کو اہمیت دینا' یہ آپﷺ کی حکمت تدریس کا حصہ تھا تاکہ صحابہؓ کا حدیث رسولﷺ سے ایک خاص تعلق اور ربط پیدا ہو جائے۔ یہ تربیت تدریجی اور اسلامی معاشرہ کے حوادث و احوال سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ یہ تربیت جامد نہ تھی کہ ایک ہی شکل وصورت پر قائم رہتی بلکہ اس میں اشخاص و ازمنہ کے احوال و مقامات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔''(2)

حضور کریمﷺ نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا۔ ایسے لوگوں کی تعداد تو اُنگلیوں پر گنی جا سکتی تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ قرآن نے خود ان کو اَن پڑھ کہا جن کے اندر سے حضورﷺ یہ دعوت لے کر اُٹھے:

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم.(3)

''اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بھیجا۔''

طبقات ابن سعدؒ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت سولہ سترہ سے زیادہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب لکھنے پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ صحرائی لوگ تو پڑھنے کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے خلاف حقارت کا یہ جذبہ آج تک صحرائی قبائل میں بدستور باقی ہے۔ ذوالرمہ اور مخضرمی جو بہت بڑے شاعر ہیں' وہ اس بات کو چھپاتے رہے کہ وہ فن کتابت سے آشنا ہیں کہ کہیں لوگ انہیں ناپسند نہ کرنے لگیں۔

کتابت حدیث کے عدم رجحان اور رسول اللہﷺ کی ممانعت کی وجہ سے صحابہؓ حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے۔ احادیث کو حفظ کرتے اور حافظہ کی مدد سے ہی بوقت ضرورت اس کو مستحضر کر دیتے تھے۔ پروفیسر خالد علوی لکھتے ہیں:

''حافظہ پر اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ بڑی مدت تک علماء حفظ ہی کرتے رہے۔ انہوں نے لکھنے کو پسند نہیں کیا۔''(4)

امام اوزاعیؒ کا قول ہے:

كان هذا العلم شيئا شريفاً إذا كان من أفواه الرجال يتلاقونه و يتذاكرونه فلما صار فی الكتب ذهب نوره و صار إلى غير أهله.

''حدیث کا علم قیمتی اور شریف اس وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ باہم ملتے جلتے رہتے تھے اور آپس میں ان کا ذکر کرتے رہتے تھے لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں لکھی جانے لگیں تو اس کا نور اور اس کی رونق جاتی رہی اور یہ علم ایسے لوگوں میں پہنچ

گیا جو اس کے اہل نہ تھے۔"[5]

حضور نبی کریم ﷺ نے حفاظت کے لئے دو طرح کے اقدام فرمائے۔ ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے احادیث کو روایت کرنے کی ہمت افزائی کی اور دوسری طرف جھوٹی حدیث روایت کرنے پر سخت وعید سنائی۔

زبانی روایت کی ہمت افزائی اور ترغیب:

اہل عرب ہزاروں برس سے اپنے کام کتابت کے بجائے حفظ و روایت اور زبانی کلام سے چلانے کے عادی تھے اور یہی عادت اسلام کے ابتدائی دور میں برسوں تک رہی۔ ان حالات میں قرآن کو محفوظ کرنے کے لئے تو کتابت ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس کا لفظ لفظ' آیات اور سورتوں کی ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ جو اللہ نے مقرر فرمائی تھی' محفوظ کرنا مطلوب تھا۔ حدیث میں اس ترتیب کا ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ قرآن کی تلاوت اس طرح مطلوب تھی جس طرح اللہ نے ترتیب دی۔ اس کے الفاظ کو بدلنا کسی صورت جائز نہ تھا جبکہ سنت کی نوعیت عملی تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف ان کا مفہوم وحی تھا جنہیں الفاظ کا جامہ حضور نبی کریم ﷺ پہنایا کرتے۔

حضور ﷺ کے اقوال' الفاظ اور تقاریر کے نقل کرنے میں یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ اسی طرح نقل کریں بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا' وہ اس پر قادر بھی تھے کہ الفاظ سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

احادیث میں قرآن کی آیتوں کی طرح یہ بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے اور فلاں بعد میں لائی جائے۔ یہاں مقصود صرف ان احکام اور تعلیمات و ہدایات کو یاد رکھنا اور بحفاظت آگے پہنچانا تھا جو صحابہؓ کو حضور ﷺ سے ملتی تھیں۔ اس باب میں زبانی نقل و روایات کی کھلی اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بار بار اور بکثرت اس کی تاکید فرمائی۔

نبی پاک ﷺ نے ان اشخاص کے لئے خصوصی دُعا فرمائی جو آپ ﷺ کی باتوں کو سن کر یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں:

1- حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

نضر الله امرء سمع مقالتي فوعاها.....[6]

"اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اس بندے کو جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد رکھا۔"

2- حضرت زید بن ثابتؓ' عبداللہ بن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ اور ابودرداءؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

نضر الله امرء سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه.(7)

''اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچا دے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ہوتا مگر وہ فقہ اُٹھائے ہوتا ہے۔''

-3 حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

ليبلغ الشاهد الغائب عسٰى ان يبلغ من هو أوعىٰ.(8)

''جو حاضر ہے، وہ اس کو پہنچا دے جو حاضر نہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے جو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔''

-4 قاضی ابوشریح کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا جسے میں نے خود کانوں سے سنا اور خوب یاد رکھا۔ وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ خطبہ کے اختتام پر آپ نے فرمایا:

ليبلغ الشاهد الغائب.

''جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔''(9)

-5 حجۃ الوداع 10 ہجری میں وہی بات کہی جو فتح مکہ کے موقع پر کہی تھی۔

-6 ابوجمرہؓ کہتے ہیں کہ بنی عبدالقیس کا وفد بحرین سے نبی اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسولﷺ! ہم ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ ہم سوائے حرام مہینوں کے آپ کی خدمت میں نہیں آ سکتے لہٰذا ہم کو ایسے اعمال بتائیں کہ ہم پیچھے والوں کو اس سے مطلع کریں اور اس کے سبب ہم جنت میں چلے جائیں۔ رسول اللہﷺ نے انہیں چند احکام دیئے اور فرمایا:

احفظوه و اخبروا من وراءكم.(10)

''اس کو یاد کر لو اور پیچھے والوں کو بھی بتاؤ۔''

پروفیسر خالد علوی نے مولانا سیّد امین الدین کی رائے نقل کی ہے کہ حضور رسالت مآبﷺ نے ان صحابہؓ کے لئے دعا فرمائی جو حضورﷺ کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ اس کو دوسروں تک پہنچاتے۔ حفاظت حدیث اور مبلغین حدیث کے لئے حضورﷺ کی مذکورہ دُعا ثابت کرتی ہے کہ حفظ حدیث اور اس کی تبلیغ، حضورﷺ کی رضا اور خوشنودی حیات صحابہؓ کا عظیم اور اہم سرمایہ تھا۔ صحابہؓ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسولﷺ کو راضی رکھنا ایمان والوں کے حفظ ایمان کے لئے نہایت ضروری ہے۔(11)

واللہ و رسولہٗ احق ان یرضوہٗ ان کانوا مؤمنین. (توبہ: 62)

''اللہ اور اس کے رسول کو راضی رکھنا بہت ضروری ہے' اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من رغب سنتی فلیس منی. (بخاری: 5063)

''وہ مجھ سے نہیں جس نے میری سنت سے اعراض کیا۔''

صحابہ کرامؓ حافظہ کی مدد سے حدیث کو یاد رکھنے کا کام لیتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی اس تحریص و ترغیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہؓ ذوق و شوق سے احادیث کو یاد رکھتے جو حضور ﷺ کی محفل میں حاضر نہ ہو سکتے' وہ باری باری کاشانۂ نبوت میں حاضری دیتے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے اپنے غلام سے باری باندھی ہوئی تھی کہ ایک دن میں کاشانۂ نبوی میں حاضر ہو کر نور نبوت سے فیض یاب ہوں گا تو اس سے آپ کو آگاہ کروں گا لیکن جس دن میں حاضر نہ ہو سکوں تو آپ حضور ﷺ کے ہاں حاضر ہو کر فیض حاصل کریں اور ارشادات نبوی سے مجھے آگاہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا صحابہؓ دور کرتے۔ ایک دوسرے کو سناتے' مذاکرے ہوتے اور ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کرتے۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے:

''میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے مسجد میں ایک جماعت بیٹھی ہوئی پائی۔ فرمایا: تم کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی پھر ہم بیٹھ گئے۔ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کا مذاکرہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں' اس کا ذکر بڑھ جاتا ہے۔''[12]

حضرت ابن عباسؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر اکابرین صحابہؓ اور تابعین حدیث کے مذاکروں میں اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو تاکید کرتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے:

تذاکروا الحدیث و تزاوروا فإنکم إن لم تفعلوا یدرس.

''احادیث کا تکرار کیا کرو اور ایک دوسرے سے ملتے رہو اگر ایسا نہ کرو گے تو علم ضائع ہو جائے گا۔''

بقول سیّد منت اللہ:

''صحابہ کرامؓ میں دو چیزوں کا چرچا تھا: کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ۔ وہ اپنے وقت کو انہی دو کاموں میں صرف کرتے اور انہی دو چیزوں کو خود پڑھتے' دوسروں کو پڑھاتے یا ان سے سنتے رہتے تھے۔ اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو انہی چیزوں کے مذاکرہ اور حفظ کی تاکید کرتے رہے تو پھر جنہوں نے حدیث کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہو' انہیں حدیثیں یاد نہ رہتیں تو اور کس کو رہتیں۔''[13]

حفظ حدیث میں حزم واحتیاط اور اس کے محرکات

صحابہ حفظ حدیث اور روایت میں بڑی احتیاط سے کام لیتے اور اس کو وہ اپنی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے تا کہ بعد میں آنے والی نسلوں کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات صاف شفاف صورت میں بغیر کسی آمیزش کے ملیں۔ ان کے نزدیک یہ دین ایک امانت ہے اور اس میں تغیر و تبدیلی خیانت اور بہت بڑا جرم ہے۔ بعض دفعہ تو صحابہؓ حدیث بیان کرتے ہوئے لرز اُٹھتے تھے۔ اس حزم واحتیاط کے درج ذیل محرکات تھے:

1- جھوٹی احادیث پر تنبیہ:

جھوٹی حدیث کو حضور نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر تنبیہات اور وعیدیں دراصل حفاظت حدیث کی ہی اہم کوشش ہے جو آپ نے روایت کے سلسلہ میں فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے قطعی طور پر بتایا کہ جھوٹی روایت بیان کرنے والا جہنمی ہوگا۔

-1 آپ ﷺ نے فرمایا:

من كذب على متعمداً فلتيبوأ مقعده من النار. (مسند احمد: 165/1)

''جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔''

-2 ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حدثوا عنى ولا حرج ومن كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار.

''میری باتیں روایت کرو، اس میں حرج نہیں ہے مگر میری طرف جو جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔'' (مسند احمد: 159/2)

-3 حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اتقوا الحديث عن إلا ما علمتم فمن كذب متعمداً فليتبوا مقعده من النار.[14]

''میری طرف سے اس وقت تک کوئی بات بیان نہ کرو جب تک تمہیں یہ علم نہ ہو کہ میں نے وہ کہی ہے کیونکہ جو کوئی میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔''

اس حدیث کو عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سناؤں تو مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ آسمان سے گر جاؤں اس سے کہ میں آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھوں۔ آپؓ کے الفاظ ہیں:

إذا حدثتكم عن رسول اللهﷺ لان أخر من السماء أحب إلي من ان أكذ
عليه.(15)

2- عظمت رسولﷺ:

صحابہ رسول اللہﷺ کو اللہ کا نبی اور سب سے عظیم انسان تصور کرتے تھے اور اس با
پر وہ دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک آپﷺ کی تعلیمات' ارشادات
حالات و واقعات کی حیثیت عام انسانی وقائع کی نہ تھی کہ وہ ان کو معمولی حافظے کے سپرد
دیتے۔ ان کے لئے تو آپﷺ کی معیت میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ سب سے زیادہ قیمتی تھا
اس کی یاد کو وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے اس خواہش کا اظ
کیا کہ ابوبکرؓ میری ساری عمر کی نیکیاں لے کر غار ثور کی ایک رات کی نیکیاں مجھے دے دے۔

3- علم صحیح:

حزم و احتیاط کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضورﷺ نے جو علم صحابہؓ کو دیا تھا' وہ حقائق پر
تھا۔ اس کا اعتراف صحابہؓ خود کرتے تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے سامنے جو حقیقت وا
کی' وہ اس کا بین ثبوت ہے کہ ہم اس سے پہلے جاہل اور گمراہ تھے' اب حضورﷺ ہم کو پاک
ترین اور صحیح علم دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہم کو جینا سکھایا ہے۔ اسی لئے صحابہؓ پوری توجہ ۔
آپﷺ کی ہر بات کو سنتے تھے' ہر فعل کو دیکھتے تھے کیونکہ عملی زندگی میں عملاً اسی کا نقش پیوس
کرنا تھا اور اس کی رہنمائی میں کرنا تھا۔

4- ذمہ داری کا احساس:

صحابہؓ کو یہ بھی احساس تھا اور وہ یہ ذمہ داری محسوس کرتے تھے کہ بعد میں آنے والوں
حضورﷺ کے حالات اور تعلیمات بالکل صحیح صورت میں پہنچائیں اور اس میں کسی قسم کی آمیز
نہ کریں۔
حضورﷺ کی وعید کے بعد تو صحابہ اور محتاط ہو گئے تھے کہ اپنی طرف سے تغیر و تبد
کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ وہ اسے عظیم خیانت تصور کرتے تھے۔ دین کو امانت سمجھ کر انہوں ۔
آگے منتقل کیا۔

5- اکابر صحابہ کی تلقین:

حضور پاکﷺ کی تلقین کے علاوہ اکابر صحابہ بھی عام صحابہ کو احادیث روایت کر۔
میں احتیاط کی تلقین کرتے تھے' اس معاملے میں سہل انگاری برتنے سے شدت کے ساتھ رو
تھے۔ بعض اوقات حضورﷺ کا ارشاد سن کر شہادتیں طلب کرتے تھے اور اطمینان کے ۔

امتحان بھی لیتے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو حج کے موقع پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک حدیث پہنچی' دوسرے سال حضرت عائشہؓ نے حج کے موقع پر ہی یہی حدیث عبداللہ کو سنان کیے لئے کہا۔ دونوں مرتبہ حضرت عبداللہؓ کے بیان میں سرمو فرق نہ پایا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے میت کی دادی کو میراث 1/6 حصہ اس وقت دیا جب مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن سلمہؓ نے شہادی دی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب اذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ کو حدیث سنائی تو آپ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر تم اس کی شہادت پیش نہ کر سکے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔

6- ماحول کا اثر:

حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے اسلامی ریاست کی فضاء ایسی بن گئی تھی کہ تمام صحابہ پر آپ ﷺ کے اسوۂ کی ایک گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ روایات محض زبانی ہی نہ تھیں بلکہ اسوۂ حسنہ کے آثار و نقوش ہر طرف نظر آتے تھے جس بناء پر حافظہ کی غلطی سے یا اپنے ذاتی خیالات و تعصبات کی بناء پر کوئی نرالی بات پیش کرنا بھی محال تھا۔ صحابہ کے دور میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ غلط طور پر آپ کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو۔

7- تقویٰ اور خوف الٰہی:

حضور ﷺ کی سیرت کی صحابہ کی انفرادی زندگیوں پر بڑی گہری چھاپ تھی۔ یہ سابقون الأولون کی جماعت تقویٰ کے اس مقام پر فائز تھی کہ حدیث کی روایت میں سہل انگاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تقویٰ اور خوف الٰہی کی بنیاد پر روایات جو ایک دوسرے کو منتقل ہوتی تھیں' ان میں سرمو فرق نہ پایا جاتا تھا۔

8- خوشنودیٔ رسول ﷺ:

حفظ حدیث اور اس کی تبلیغ حضور ﷺ کی رضاء اور منشائے قلبی تھا۔ حضور ﷺ کی رضا اور خوشنودی حیات صحابہ کا عظیم سرمایہ تھا۔ صحابہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی رکھنا حفظ ایمان کے لئے ضروری ہے۔ ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ ہجرت کے بعد ایک شخص نے ایک پُرتکلف مکان بنایا اور اسے چونا گچ کر دیا۔ حضور ﷺ کا ادھرؐ سے گزر ہوا تو فرمایا: یہ کس کا مکان ہے؟ گویا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا تو جب صحابی کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے تو اس نے اس مکان کو منہدم کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر اس کی خبر دی۔

ثمامہ بن اثالؓ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے یمن جا کر اہل مکہ کا غلہ بند کر دیا اور کہا کہ جب تک اذن رسول ﷺ نہ ہو گا' غلہ بند رہے گا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ازراہ عنایت

اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ کے تورات کی ورق گردانی پر جب حضرت ابوبکرؓ نے توجہ دلائی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

رضيت بالله ربا و بالإسلام دينا و بمحمد نبيا.

''میں اللہ کے ربّ ہونے' اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔''

صحابہؓ یہ سمجھتے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کے رسول ﷺ کی رضا میں خدا کی رضا ہے۔ خوشنودی رسول ﷺ کے لئے حفظ حدیث میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

کیا مکتوبہ چیز ہی قابل اعتماد ہے؟

یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ حدیث لکھی ہوئی نہ تھی' عہد رسالت میں صرف حافظہ کی مدد سے ہی اس کو محفوظ رکھا جاتا تھا یا حدیث عہد رسالت یا عہد خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھی' اس لئے حجت نہیں۔ سیّد مودودی نے اس کا جواب تفصیل سے دیا ہے' ہم ان کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

''قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا تھا وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ و معانی دونوں ہی من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں اس کی آیتوں' سورتوں کی ترتیب بھی خدا کی جانب سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ سنت کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور ﷺ نے اس کو اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔ پھر اس کا بڑا حصہ ایسا تھا جسے رسول اللہ ﷺ کے ہم عصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً حضور ﷺ کے اخلاق ایسے تھے' زندگی ایسی تھی' فلاں موقع پر حضور ﷺ نے فلاں کام کیا' حضور ﷺ کے اقوال' تقریریں نقل کرنے میں کوئی پابندی نہ تھی کہ انہیں سامعین لفظ بہ لفظ نقل کریں بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ ﷺ کی بات سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔

حضور ﷺ کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ ﷺ نے دی تھی۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ رکھنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں بعد میں' اس بناء پر احادیث کے معاملہ میں یہ کافی تھا کہ لوگ انہیں یاد رکھیں اور دیانت کے

ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی چیز کے حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا اشخاص کا بھروسہ کے قابل ہونا ہے جس کے ذریعے بات دوسروں تک پہنچے خواہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچ مانیں گے وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو بھی کلام الٰہی مان لیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی جتنی تبلیغ و اشاعت تھی، زبانی تھی۔ آپ ﷺ کے صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے۔ وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ ﷺ انہیں کاتبان وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ و اشاعت زبانی ہوتی تھی۔

ایمان لانے والے، صحابہ کے اعتماد پر تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے یا رسول اللہ ﷺ کا حکم اور جو حکم وہ پہنچا رہا ہے وہ رسول اللہ ﷺ ہی کا حکم ہے۔

تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی جب تک زندہ انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں یا لکھنے والا خود نہ بتائے یہ اس کی تحریر ہے یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کریں کہ یہ تحریر اسی شخص کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی بھی نہیں ہو سکتی۔"(16)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی چیز کا لکھا ہوا ہونا ہی حجت نہیں جب تک زندہ انسانوں کی شہادت موجود نہ ہو۔ قرآن حضور ﷺ کو تحریری صورت میں نہ دیا گیا تھا۔ جبریل علیہ السلام زبانی ہی وحی لاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی زبانی ہی صحابہ کو بتاتے تھے۔ آج بھی قرآن اس لئے حجت نہیں کہ یہ لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہے بلکہ زندہ انسانوں کی شہادت ہے جو مسلسل اس کو سنتے اور بعد میں آنے والوں تک اسے پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر قرآن کے سلسلہ میں زندہ انسانوں کی شہادت حجت ہے تو سنت رسول ﷺ کے بارے میں حجت کیوں نہیں۔

حوالہ جات

1- مجمع الزوائد: ج 1' ص 161 بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی' ص 111
2- صبحی صالح' ڈاکٹر' علوم الحدیث' ص 39
3- القرآن...... الجمعہ: 2
4- خالد علوی' حفاظت حدیث' ص 59
5- جامع بیان العلم' ج 1' ص 98 بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی' ص 59
6- بخاری: الجامع الصحیح' کتاب العلم
7- ابوداؤد: کتاب العلم
8- بخاری: الجامع الصحیح
9- بخاری: ج 3' ص 45' حدیث نمبر 104
10- بخاری: کتاب العلم' ج 1' ص 22
11- خالد علوی' حفاظت حدیث' ص 120
12- دارمی: مذاکرۃ العلم' ج 1' ص 150
13- (i) دارمی: مذاکرۃ العلم' ج 1' ص 150
(ii) سیّد منت اللہ رحمانی: کتابت حدیث' ص 30
14- مشکوٰۃ: کتاب العلم' ج 1' ص 79
15- مسند احمد' ج 2' ص 45
16- مودودی سیّد ابوالاعلیٰ' منصب رسالت نمبر' ص 338



عہد نبوی میں کتابت حدیث

(مختصر تحقیقی جائزہ)

اسلام علاج ہے انسانی زندگی کی تمام احتیاجات کا۔ اسلام کے معنی ہیں پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یا یوں کہیئے کہ اسلام قرآن وسنت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے دین حق کے لئے مخلص مؤمنوں کی ایک جماعت تیار کی تھی جس نے اسلام کو سمجھا' اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالا اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے نہ صرف قرآن مجید ہی کی دل و جان سے حفاظت کی بلکہ سنت رسول ﷺ کی بھی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ اسی لئے حفاظت حدیث کا اہتمام عہد نبوی ﷺ ہی میں شروع ہو چکا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آپ کی ذات سے صادر شدہ احکام وافعال کو محفوظ کرنا دینی فریضہ بن گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت آپ کے ان ارشادات کی امین تھی۔ حفاظت حدیث کے لئے صرف حفظ کا طریقہ ہی اختیار نہ کیا گیا بلکہ احادیث کے لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد کا مکتوب ذخیرہ محفوظ ہے اور عقل عام رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ عہد نبوی میں کتابت حدیث کا باقاعدہ اہتمام تھا۔[1]

احادیث کے حفظ وروایت کی تاکید:

احادیث کے حفظ وروایت کی تاکید مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہوتی ہے:

-1 نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حدثوا عنی.

''مجھ سے حدیث بیان کرو۔''[2]

-2 حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بلغوا عنی ولو آیة.

''میری طرف سے (لوگوں کو میرا پیغام) پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔''[3]

-3 حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لیبلغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه.

''اور ضروری ہے کہ حاضر شخص غائب کو یہ حکم پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کو یہ حکم پہنچایا جائے' وہ حاضرین سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہو۔''[4]

4- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

نضر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فربّ مبلغ أوعى من سامع.

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچا دی جس طرح سنی تھی اس لئے کہ بہت سے لوگ جنہیں حدیث پہنچے گی وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔''(5)

گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں موجود جن میں سے ہر ایک نے کم وبیش رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایت حدیث کی خدمت انجام دی ہے۔(6)

صحابہ کرامؓ کا اہتمام سماعت' حفظ و کتابت حدیث:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ قبیلہ بنو اُمیہ بن زید میں رہتے تھے اور یہ قبیلہ کے باہر پورب (مشرق) کی طرف رہتا تھا۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری حاضر ہوتے' ایک روز وہ جاتا تھا اور ایک روز میں۔ میں جب جاتا تھا تو اس دن کی وغیرہ سے متعلق خبریں اس انصاری کو بتا دیتا اور جس دن وہ جاتا' وہ بھی یوں ہی کرتا تھا۔''(7)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ سے احادیث سن کر آتے تو دہرایا کرتے حتیٰ کہ وہ ازبر ہو جاتیں۔(8)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ''ہم حضور ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے حدیث اور لکھتے تھے۔''(9)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو سے زائد حدیثیں یاد ہوں' ہاں عبداللہ بن عمروؓ کو (حدیثیں مجھ سے زائد یاد تھیں) کیونکہ و لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔(10)

حضرت سلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ لکھنے کی تختیاں ان پاس تھیں' ان پر وہ ابورافعؓ سے رسول اللہ ﷺ کے کچھ افعال لکھ کر نقل کر رہے ہیں۔(11)

کتابت حدیث کے لئے احکام نبوی ﷺ:

1- حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی احادیث روایت کروں۔ میرا ارادہ ہے میں دل کے ساتھ ہاتھ سے لکھنے کی مدد بھی لوں' اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو رسول ﷺ نے فرمایا:

إن كان حديثي ثم استعن بيدك مع قلبك.[12]

''اگر میری حدیث ہوتو اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لو۔''

-2 حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری رسول اللہﷺ کی مسجد میں بیٹھا کرتے اور احادیث سنتے تھے۔ وہ انہیں بہت پسند آتیں لیکن یاد نہیں رہتی تھیں چنانچہ انہوں نے آپﷺ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہﷺ! میں آپ سے حدیثیں سنتا ہوں لیکن مجھے یاد نہیں رہتیں، آپﷺ نے فرمایا:

استعن بيمينك و أومأ بيده الخط.[13]

''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد حاصل کرو اور آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔''

-3 حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں...... آپﷺ نے فرمایا:

اكتبوا ولا حرج.

''لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں۔''[14]

-4 حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ یہ سن کر ایک یمنی شخص (ابوشاہ) نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہﷺ! یہ (سب احکام) مجھے لکھ دیجئے۔ آپﷺ نے فرمایا:

اكتبوا لأبي فلان.

''ابو فلاں کو لکھ دو۔''[15]

اور ترمذی کی روایت میں ہے:

اكتبوا لأبي شاه.

''ابو شاہؓ کو لکھ دو۔''[16]

-5 حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہﷺ کی زبان سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہﷺ بشر ہیں۔ غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر میں نے رسول اللہﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپﷺ نے انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق.[17]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ان دونوں ہونٹوں کے درمیان (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس لئے تم لکھا کرو۔''

6- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیدوا العلم قلت وما تقییده؟ قل کتابته.[18]
''علم کو قید کرو...... میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لکھنا......''

7- حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیدوا العلم بالکتاب.
''علم کو لکھ کر محفوظ کر لو۔''[19]

علم سے مراد علم حدیث ہے اس لئے کہ اسلاف کے ہاں یہ لفظ رائے کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔

8- نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ نے بھی احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔[20]

عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئی احادیث اور ان کے مجموعے:

1- حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ ایک حرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔[21]

2- رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضے میں سے ایک کاغذ ملا جس میں لکھا تھا کہ ''اندھے کو رستے سے بھٹکانے والا ملعون ہے، زمین کا چور ملعون ہے، احسان فراموش ملعون ہے۔''[22]

3- ''کتاب الصدقة'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب زکوٰۃ لکھوائی لیکن ابھی اپنے عمال کو بھیج نہ پائے تھے کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی وفات تک۔[23]

4- ''صحیفه صادقه'' حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ایک صحیفہ مرتب کیا جسے ''صحیفه صادقه'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ''صادقه'' ایک صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے۔''[24]

5- ''صحیفه علیؓ'' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جو نبی ﷺ سے منقول ہے۔[25]
صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق اس صحیفہ میں دیت اور قیدیوں کے چھڑانے

کے احکام ہیں اور یہ حکم کہ کافر، حربی کے (قتل کے) عوض مسلمان کو نہ مارا جائے۔[26]

6- "حضرت انسؓ کی تالیفات" حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دس برس رہے، آپ نے عہد رسالت ہی میں احادیث کے کچھ مجموعے لکھ کر تیار کر لئے تھے۔ ان کے شاگرد سعید بن ہلال فرماتے ہیں کہ ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاض نکال کر دکھاتے اور کہتے:

"یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہی لکھ لی تھیں اور پڑھ کر بھی سنا دی تھیں۔"[27]

7- "صحیفه عمرو بن حزمؓ" 10ھ میں جب یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عمل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک عہد نامہ تحریر فرما دیا جس میں آپ نے شرائع و فرائض و حدود اسلام کی تعلیم دی تھی۔[28]

8- "قبیله جهینه کے نام تحریر" عبداللہ بن عکیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر ہمارے (قبیلہ جہینہ) کو پہنچی۔[29]

9- "اهل جرش کے نام خط" نبی کریم ﷺ نے ایک نامہ مبارک اہل جرش کو بھیجا تھا جس میں کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا تھا۔[30]

10- حضرت معاذؓ نے یمن سے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ ﷺ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔[31]

11- "عهدی نبوی ﷺ کے خطوط" عالم اسلام کے نامور مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہ کا بیان ہے کہ عہد نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا کئے جا چکے ہیں۔[32]

12- "تبلیغی خطوط" صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے دنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر بطور دستخط ثبت فرمائی۔[33]

قیصر و کسریٰ وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور خط پر مہر لگانے کے لئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔[34]

13- "نو مسلم وفود کے لئے صحائف" جب حضرت وائل بن حجرؓ نے (مدینہ سے) اپنے وطن لوٹنے کے ارادے پر رسول اللہ ﷺ کے حضور عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم پر میری سیادت کا فرمان لکھوا دیجئے۔" رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے تین ایسے فرمان لکھوا کر وائل کے سپرد فرمائے۔[35]

آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل وفود کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے:

وفد قبیله خثعم، وفد الریاویین، وفد ثمالته والجدان۔[36]

14- ایک مرتبہ کسی لشکر کے سردار کو حضور ﷺ نے ایک خط دیا اور فرما دیا کہ جب تک تو فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جائے اس کو نہ پڑھنا' وہ سردار جب مقام مقررہ پر پہنچا تو لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا خط پڑھا اور سب کو اس کی اطلاع کر دی۔(37)

15- **"تحریری معاھدے"** ہجرت کے فوراً بعد مختلف قبائل عرب اور دوسری اقوام سے آپ کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "الوثائق السیاسیة" میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کر دی ہے۔ "دستور مملکت" جو ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد آپ ﷺ نے نافذ فرمایا تھا' وہ بھی معاہدات ہی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔(38) اسی طرح چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا۔(39) اس معاہدے کو حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔(40)

16- **"جاگیروں کے ملکیت نامے"** رسول اللہ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں اور ان کے ملکیت نامے بھی تحریر کروا کے دیئے مثلاً حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی:

"یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو دی ہے۔ ان کو سوارق پورا کا پورا بالائی حصے تک موضع مورع سے موضع موقت تک دیا ہے' اس کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتائے۔"(41)

17- **"امان نامے"** آپ ﷺ نے بہت سے افراد اور خاندانوں کو امان نامے لکھوا کر عطا فرمائے۔ ان کا ذکر طبقات ابن سعد میں بھی ملتا ہے اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ سراقہ بن مالک کو لکھوا دیا۔

18- **"بیع نامے"** رسول اللہ ﷺ قیمتی اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت ان کی دستاویز بھی لکھوایا کرتے تھے۔

عبدالمجید بن وہب روایت کرتے ہیں:

"عداء بن خالد بن ہوذہ نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تحریر کرائی تھی۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے ایک تحریری نکالی' اس میں لکھا تھا: یہ اقرارنامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے خریداری کی....."(42)

حوالہ جات

-1 حفاظت حدیث: ڈاکٹر خالد علوی/ 5 ' ص 56 تا 65
-2 مسلم: الجامع الصحیح ' کتاب الزہد' ج 6 ' ص 501
-3 کتاب العلم: بخاری' کتاب الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل' ج 2 ' ص 692
-4 الجامع الصحیح: از بخاری' کتاب العلم' ج 1 ' ص 135
-5 جامع ترمذی از محمد بن عیسیٰ ترمذی' ج 2 ' ص 125
-6 خطبات مدراس از سیّد سلیمان ندوی' ص 44
-7 الجامع الصحیح ' از بخاری کتاب المظالم' ج 2 ' ص 145
-8 الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع از خطیب بغدادی' ج 1 ' ص 236
-9 مجمع الزوائد از نور الدین' الہیثمی ' ج 1 ' ص 161
-10 الجامع الصحیح از بخاری کتاب العلم' ج 1 ' ص 158
-11 الطبقات الکبریٰ لابن سعد' ج 2 ' ص 371
-12 سنن الدارمی از عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی' ج 1 ' ص 126
-13 جامع ترمذی' ج 2 ' ص 128
-14 تدریب الراوی از حافظ جلال الدین سیوطیؒ ص 286
-15 الجامع الصحیح از بخاری' کتاب العلم' ج 1 ' ص 157
-16 جامع ترمذی' ج 2 ' ص 128
-17 سنن ابی داوٗد' ج 3 ' ص 117
-18 المستدرک از حاکم' ج 1 ' ص 106
-19 جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی' ج 1 ' ص 72
-20 مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ' ص 33
-21 الجامع الصحیح از مسلم' ج 3 ' ص 384
-22 جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی' ج 1 ' ص 72
-23 جامع ترمذی' ج 1 ' ص 264
-24 طبقات ابن سعد از ابن سعد' ج 2 ' ص 408
-25 الجامع الصحیح از بخاری' ج 2 ' ص 446
-26 الجامع الصحیح از بخاری' ج 1 ' ص 157
-27 المستدرک از حاکم' ذکر انس بن مالک' دائرۃ المعارف' حیدرآباد' دکن (انڈیا)

28- طبقات ابن سعد از ابن سعد، ج 2، ص 39

29- مشکوۃ المصابیح از خطیب بغدادی، ج 1، ص 165 اور نسائی، ج 3، ص 164

30- الجامع الصحیح لمسلم: 240/5

31- خطبات مدراس از سیّد سلیمان ندوی، ص 51

32- رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 311

33- طبقات ابن سعد از ابن سعد، ج 2، ص 29

34- الجامع الصحیح للبخاری، ج 1، ص 134

35- الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 142 تا 144

36- طبقات ابن سعد از ابن سعد، ج 2، ص 121 تا 130

37- الجامع الصحیح للبخاری، ج 1، ص 133

38- سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 19

39- الجامع الصحیح از مسلم کتاب الجہاد والسیر

40- خطبات مدراس از سیّد سلیمان ندوی، 192/229

41- سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر حمید اللہ..... نمبر 192/229

42- جامع ترمذی، ج 1، ص 448



امام مسلمؒ اور ان کی تالیف صحیح مسلم پر جامع نوٹ

نام ونسب:

آپ کا نام مسلم اور باپ کا نام حجاج ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کرشاد القشیر ی النیشاپوری۔ آپ کی کنیت ابوالحسین اور لقب عساکر الدین ہے۔

ولادت:

ان کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ امام نوویؒ اور ابن خلکانؒ نے 206ھ بتلایا ہے (تہذیب الاسماء) لیکن ابن حجر وغیرہ نے 204ھ بتلایا ہے لیکن ان کی صحیح پیدائش 206ھ ہے[1] کیونکہ متاخرین میں سے ابن اثیر اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

اساتذہ:

آپ نے بچپن سے علم حدیث کی سماعت شروع کی' 14 برس کی عمر میں ابتدائے سماع کی۔ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

واول سماعه ثماني عشرة ومائتين.

''انہوں نے حدیث کی پہلی سماعت 218ھ میں کی۔''

آپؒ نے خراسان میں امام اسحاقؒ اور امام ذہبیؒ سے سماعت کے علاوہ دیگر علمی مراکز کو بھی اپنے شرف ورود سے نوازا۔ ان کے اساتذہ میں ابوغسان بھی ہیں۔ عراق میں احمد احمدؒ حجاز میں سعید بن منصور وغیرہ آپؒ کے اساتذہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپ نے اسحاق بن راہویہ' یحییٰ بن یحییٰ' قتیبہ بن سعید' امام بخاری رحمہم اللہ اور دیگر اصحاب الحدیث سے استفادہ کیا۔[2]

تلامذہ:

آپ کے شاگردوں میں امام عیسیٰ ترمذی (279ھ)' امام ابن خزیمہ (411ھ) اور امام ابو حاتم رازی' موسیٰ بن ہارون' یحییٰ بن صاعد وغیرہ جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔[3]

امام کا علمی ذوق:

امام مسلم کی ''صحیح مسلم'' ہی آپ کے علمی اور فنی کمالات کے لئے ایک دلیل ہے۔ مؤرخین نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ سے ایک مجلس مذاکرہ میں حدیث دریافت کی گئی' آپ اس وقت نہ پہچان سکے۔ گھر تشریف لے گئے' اپنی کتابوں میں تلاش شروع کر دی۔ کھجور کا ایک ٹوکرہ آپ کے پاس پڑا تھا۔ آپ ساتھ ساتھ کھجوریں کھاتے گئے' انہماک کا یہ عالم

تھا کہ تمام کھجوریں تناول فرما گئے۔ آخر یہی کھجوریں آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوئیں۔

وفات:

آپ جو علم و عمل کے پیکر تھے 25 رجب 261ھ کو نیشاپور میں بوقت شام 55 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (4)

امام مسلم معاصرین کی نظر میں:

آپ کے اساتذہ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

ای رجل یکون ھذا.

''یہ کس بلا کا ذہین انسان ہے۔'' (5)

حافظ ابو قریش فرماتے ہیں:

حافظ الدنیا اربعة فذکر منھم ملسما.

''دنیا میں چار حافظ ہیں ان میں ایک امام مسلم ہیں' باقی تین ابوزرعہ' محمد بن اسماعیل اور الدارمی ہیں۔'' (6)

تصانیف:

علمی یادگار مندرجہ ذیل کتب ہیں:

صحیح مسلم' المسند الکبیر' کتاب الاسماء والکنی' کتاب العلل' کتاب اوہام المحدثین' کتاب الطبقات' الجامع الکبیر' کتاب المخضرمین' مشائخ مالک

الغرض ان کی مجموعی تالیفات چوبیس کے لگ بھگ ہیں۔ (7)

اخلاق و عادات:

امام صاحب نہایت پاکیزہ خواص اور انصاف پسند تھے۔ اس زمانے میں اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی اخلاق حالت نہایت مہذب اور شائستہ تھی تاہم جس طرح اس زمانے کے اہل کمال میں باہم اَن بن رہتی ہے' اسی طرح اس زمانے کے مقدس اصحاب بھی اس سے خالی نہ تھے۔ اس بناء پر رجال کی کتابوں میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ باہم معاصرین کی جرح و قدح قابل قبول نہیں کیونکہ وہ لوگ ایک دوسرے کی نسبت رشک و حسد سے بہت کچھ بُرا بھلا کہہ دیا کرتے تھے۔ یہ محض معمولی لوگوں کا شیوہ نہ تھا بلکہ یحییٰ بن معین جیسے مقدس اصحاب بھی اس زمرے میں شامل ہیں مگر امام مسلمؒ کا دامن ہمیشہ اس قسم کے دھبوں سے پاک رہا۔ انہوں نے نہایت فیاضی سے اس کا عملی ثبوت دیا۔ نیشاپور کے سفر میں امام بخاریؒ کی مجلس میں ضرور آتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے چنانچہ ان ہی کے تبحر علمی سے متاثر ہو کر پکار اُٹھے:

دعنی اقبل رجلیک یا امیر المؤمنین فی الحدیث.[8]

''اے ملک حدیث کے بادشاہ! مجھے قدم بوسی کی اجازت دیجئے۔''

امام مسلم اس قدر حق پرست تھے کہ اس کے مقابلے میں اپنے اساتذہ کا بھی خیال نہیں کرتے تھے۔ امام بخاریؒ اور امام ذہبی کے درمیان اختلاف کی وجہ سے امام مسلم نے ذہبی کو چھوڑ دیا اور ان کے تمام نوشتے اونٹوں پر لدوا کر واپس بھجوا دیئے۔[9]

الغرض! ان کی حق پسند روش ان کو تعصب، بے جا طرفداری کا مطلق خوگر نہیں ہونے دیتی تھی۔ اسی لئے وہ اسی شاہرہ پر چلتے تھے جس کی طرف ان کا حق پرست دل راہنمائی کرتا تھا۔

صحیح مسلم کا سبب تالیف:

امام مسلمؒ فرماتے ہیں، میرے بعض شاگردوں نے مجھے متعدد روایات کو بلاتکرار جمع کرنے کو کہا چنانچہ میں نے یہ مجموعہ تیار کیا جسے میں نے تین لاکھ مسموع روایات سے منتخب کیا۔[10]

امام مسلمؒ کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ ضروری ہے:

نام کتاب	نام مؤلف اور سن وفات	صفحات	اجزاء	تاریخ، مقام اشاعت
تاریخ بغداد	خطیب بغدادی، 463ھ	4	13/ص 100	1349ھ، مصر
طبقات حنابلہ	قاضی محمد بن ابی یعلی، 526ھ	2	337/1	مصر
تہذیب الاسماء واللغات	امام نووی، 672ھ	2	89/2	مصر
وفیات الاعیان	ابن خلکان، ص 681	2	280/4	1367ھ، مصر
تذکرۃ الحفاظ	حافظ ذہبی، 748ھ	2	165/2	حیدرآباد (انڈیا)
البدایہ والنہایہ	ابن کثیر، 774ھ	2	33/11	مصر
تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی، 852ھ	2	126/10	حیدرآباد (انڈیا)
التاج المکلل	صدیق حسن خان، 1307ھ	2	130	1382ھ، انڈیا

صحیح مسلم اور اس کی مقبولیت:

صحیح مسلم کو جس محنت شاقہ کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیا تھا اس کا صحیح اندازہ تو صحیح مسلم کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے بلکہ خود امام مسلمؒ کو اپنے مجموعے پر بجاطور پر ناز تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

ولو ان اهل الحدیث یکتبون مائة سنة الحدیث فمدارهم علی هذه المسند.

(مسند سے صحیح مسلم مراد ہے) ''اہل حدیث دو سو سال تک حدیث لکھتے رہیں تو وہ بھی اس مسند کے محتاج ہوں گے۔''(11)

حافظ ابن مندہؒ فرماتے ہیں:

سمعت ابا علی النیشابوری یقول ما رایت تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم.

''میں نے ابو علی نیشاپوری کی زبانی سنا وہ کہتے تھے کہ روئے زمین پر مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب زیادہ صحیح نہیں۔''

اسلام میں اس کے مثل کی کوئی دوسری کتاب نہیں (مقدمہ شرح مسلم) امام مسلم کی تعریف اور ان کی کتاب صحیح کی شان اتنی عظیم ہے جس کا مکمل تذکرہ کرنا ناممکن ہے۔(12)

صحیح مسلم اور اس کی خصوصیات:

صحیح مسلم کو جو خصوصیات دیگر کتب حدیث سے ممتاز کرتی ہیں' وہ مندرجہ ذیل ہیں:

-1 حسن ترتیب...... ایک باب کی احادیث کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔

-2 امام مسلمؒ نے حدثنا' اخبرنا' حدثنی و اخبرنی کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔

-3 ایک ہی مفہوم کی حدیث اگر دو مختلف راویوں کے باختلاف الفاظ ذکر کرتے ہیں تو صرف ایک مسند پر اکتفا کرتے ہیں اور واللفظ لفلان کے الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں۔

-4 اور جب کبھی کسی نام یا کنیت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی توضیح کبھی یعنی فلانا یا ھو فلان سے کرتے ہیں مثلاً:

حدثنا عبداللہ بن مسلم' حدثنا سلیمان.

ابن بلال عن یحیی وھو ابن سعید.

جس سے امام صاحب کی حسن صداقت کے ساتھ حسن ذوق اور معرفت تامہ کا ثبوت ملتا ہے۔

-5 امام مسلم نے مقدمہ میں خود روایت کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

(i) وہ حدیثیں جو بالکل صحیح ہیں اور ان کی روایت کو عموماً متقن' حافظ' ضابط اور ثقہ تسلیم کیا گیا ہے۔ (ii) وہ حدیثیں جن کی روایت باعتبار ثقاہت اور حفظ اتقان کے پہلے درجے کی نسبت کم ہے۔ (iii) وہ حدیثیں جن کی روایت کو عموماً یا اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہے اور متھمم بالکذب. وہ ان طبقات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں پہلی قسم کی حدیثوں کے بعد دوسری قسم کی احادیث درج کروں گا لیکن مجھے تیسری

قسم کی حدیث سے کوئی سروکار نہیں۔(13)

6- امام مسلم نے مختلف طرق اور تحویل اسانید کو ایجاز کے ساتھ نہایت عمدہ عبارت میں پیش فرمایا ہے جبکہ صحیح بخاری میں تحویلات کم ہیں۔

7- الجامع الصحیح لامام مسلم میں تعلیقات کی تعداد صرف چودہ ہے جبکہ صحیح بخاری میں بہت زیادہ تعلیقات ہیں۔

8- امام مسلم نے اپنی کتاب کو اپنے شہر میں نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ تصنیف کیا اور اس وقت آپ کے بہت سے مشائخ زندہ تھے۔ اس لئے الفاظ کے سیاق وسباق میں نہایت غور وفکر سے کام لیا۔

9- امام مسلم نے صرف احادیث مرفوعہ پر اکتفا کیا اور ان کی جامع میں موقوفات شاذ ونادر ہیں جو ضمناً پائی جاتی ہیں۔

10- حدیث کے پورے متن کو ایک ہی جگہ بیان کرتے ہیں اور اس کے پورے الفاظ کو نقل کرتے ہیں اور روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ کرتے ہیں اور یہ ان کی غایت احتیاط کی دلیل ہے اور اس کو صحابہ کرامؓ یا بعد کے لوگوں کے اقوال کے ساتھ ضم نہیں کرتے۔

کیا صحیح مسلم جامع ہے؟

فن حدیث میں جامع اس کو کہتے ہیں جس میں عقائد، احکام، آداب، تفسیر، تاریخ، متن اور مناقب کے متعلق احادیث ہوں۔ صحیح مسلم کا تذکرہ کرنے والوں نے اس کو جامع کہا ہے۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے اس کو جامع کہا ہے۔ اسی طرح حاجی خلیفہ نے ''کشف'' میں اور ملاّ علی قاری نے مرقات میں، نواب صدیق حسن خان نے ''اتحاف النبلاء'' میں صحیح مسلم کو جامع کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

عدد مرویات:

امام نوویؒ کے مطابق تقریباً چار ہزار مکررات کے ساتھ ہیں۔ محمد فواد عبدالباقی (وفات 1388ھ) کے مطابق مکررات کو چھوڑ کر مجموعی احادیث 3333 ہیں جو صحیح ہیں۔

صحیح مسلم کی شروح:

صحیح مسلم کی شہرت وقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی کثرت سے شروح لکھی گئی ہیں بلکہ بعض نے صرف مقدمہ مسلم کی بھی شرح لکھی ہے۔ شروح کی فہرست درج ذیل ہے:(14)

1- المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: امام محی الدین نوویؒ کی ہے، یہ مفصل اور مفید شرح ہے۔

2- اکمال المعلم فی شرح مسلم: قاضی عیاض مالکی کی ہے۔ امام نوویؒ کی شرح کا دراصل یہی ماخذ ہے۔

3- المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ابو العباس احمد بن عمرو القرطبی کی شرح ہے۔ اس میں صحیح مسلم کی تلخیص اور ابواب کوملحوظ رکھا گیا ہے۔

4- شرح مسلم: عمادالدین عبدالرحمٰن بن عبدالعلی کی شرح ہے۔

5- شرح مسلم: شمس الدین ابوالمظفر یوسف ابن مرادعلی سبط ابن الجوزی کی شرح ہے۔

6- الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج: علامہ جلال الدین سیوطی کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

7- شرح مسلم: فارسی میں شیخ عبدالحق کے فرزند نے شرح لکھی۔

8- فتح الملہم: مولانا شبیر احمد عثمانی کی ہے۔

9- اُردو ترجمہ: صحیح مسلم مع نوویؒ، علامہ وحید الزمان خان

مقدمہ صحیح مسلم:

صحیح مسلم کا سب سے زیادہ قابل قدر اس کا مقدمہ ہے۔ اس میں وجہ تالیف کے علاوہ فن روایت کے بہت سے اصول اور فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ تفسیر، فقہ، اصول فقہ، ادب، نحو یہ سب مسلمانوں کے مذہبی علوم ہیں۔ اس لئے مسلمانوں نے ان سب میں کمال پیدا کیا تاہم علم حدیث چونکہ مذہب کا سب سے زیادہ ضروری عنصر تھا اس لئے یہ مقدس فن ایک مدت تک مسلمانوں کے دل و دماغ کی جولانگاہ بنا رہا مگر نااہل اور خودغرض لوگوں کی ایک جماعت نے اس فن کو نام ونمود کا ذریعہ قرار دے کر موضوع اور غیر معتبر روایات کا ایک طومار کھڑا کر دیا چنانچہ محدثین کرام (جن میں سرفہرست امام مسلمؒ بھی ہیں) نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی اور غیر معتبر روایات اور موضوع احادیث کو الگ کر دیا۔

حوالہ جات

-1 ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مطبعۃ السعادۃ' مصر' مکتبہ المعارف' بیروت 1977ء)
الذہبی: تذکرۃ الحفاظ' 33/11 (حیدرآباد دکن' انڈیا 1333ھ)' 150/2
-2 نووی: مقدمہ شرح نووی (دارالفکر' بیروت)' مقدمہ
-3 تذکرۃ الحفاظ: 150/2
-4 تذکرۃ الحفاظ: 151-150/2
خطیب بغدادی: تاریخ بغداد (دارالکتاب العربی' بیروت) 104/13
-5 خطیب بغدادی: تاریخ بغداد' 103/13
-6 تذکرۃ الحفاظ: 151/2
-7 شبیر احمد عثمانی: مقدمہ فتح الملہم ' شرح صحیح مسلم اور
الزرکلی: الاعلام (مصر' 1347ھ) 1037-1032/3
-8 البدایہ والنہایہ: 11/33-43 - تاریخ بغداد: 102/13
-9 تاریخ بغداد: 103-102/13
-10 تذکرۃ الحفاظ: 151/2
-11 نووی: مقدمہ شرح مسلم
-12 تاریخ بغداد: 101/13 - تذکرۃ الحفاظ: 151/2
نووی: تہذیب الاسماء (مطبع منیریہ' مصر) 2/89-90
-13 مقدمہ صحیح مسلم
-14 نموزج من الاعمال الخیریہ (مطبع منیریہ' مصر) ومقدمہ تحفہ الاحوذی



امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

اور ان کی الجامع الصحیح کا تعارف اور صحیحین کا موازنہ

(ولادت 194ھ/ وفات 256ھ)

نام ونسب:

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ 13 شوال 194ھ کو پیدا ہوئے اور 256ھ ہفتہ کی رات سمرقند کے قریب وفات پائی۔ بعد از نماز ظہر آپ کو دفن کیا گیا۔

امام بخاریؒ بچپن میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، والدہ کی دعاء سے بینائی لوٹ آئی۔

امام الائمہ، امام الحفاظ حضرت امام بخاریؒ نے احادیث صحیحہ بڑی محنت اور ذکاوت سے جمع و مدون فرمائیں اور لاکھوں طرق حدیث کو اپنے سینہ میں سند و متن کے ساتھ محفوظ کیا۔ سند و متن کے ساتھ جتنی احادیث کو محفوظ کیا، اس کے امتحان میں سو فیصدی کامیاب و سرفراز ہوئے۔

کمال حافظہ:

امام بخاریؒ ایک لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے۔ خود امام رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

احفظ مائة الف حديث صحيح. [3]

امام بخاریؒ کے چند ہم عصروں کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ ہمارے ساتھ بصرہ کے شیوخ حدیث کے پاس اخذ حدیث کے لئے جایا کرتے تھے مگر یہ کچھ لکھتے نہ تھے اور ہم سب لکھ لیتے تھے۔ سولہ سترہ دن تک جب یہی حال رہا تو ہم لوگوں نے ملامت کی کہ جب تم حدیثوں کو قلمبند نہیں کرتے تو حافظہ کب تک محفوظ رکھ سکے گا، اس لئے تمہارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔

امام بخاریؒ نے فرمایا: جو کچھ میں نے اب تک سنا ہے، وہ مجھے سب یاد ہے۔ آپ لوگ اپنی لکھی ہوئی کاپیاں نکالیں اور مجھ سے زبانی سنتے جائیں تو ہم نے اپنے بیاض کو نکالا اور امام موصوف نے اپنے حافظہ سے زبانی سنانا شروع کیا تو پندرہ ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں جو ہم نے اس وقت تک حاصل کی تھیں، امام بخاریؒ نے لفظ بلفظ پوری صحت کے ساتھ سنا دیں۔ [4]

جب امام بخاریؒ بغداد رونق افروز ہوئے تو آپ کی کمال ذکاوت اور قوت حافظہ کا جو غلغلہ تھا، اس کا محدثین بغداد نے امتحان لینا چاہا چنانچہ ان اصحاب حدیث نے سو حدیثوں کے متن اور سند کو پلٹ کر آپ کے سامنے پیش کیا۔ امام بخاریؒ نے ہر متن کو اس کی اصل سند کے

ساتھ اور ہر سند کو اس کے اصل متن کے ساتھ ترتیب وار بیان کر دیا۔

فاقر الناس بالحفظ واذ عنو اله بالفضل. [5]

امام بخاریؒ کے متعلق آراء:

ابونعیم بن حمادؒ نے امام بخاریؒ کے متعلق یوں کہا:

هو فقيه هذه الامة. [6]

''وہ اس اُمت کے فقیہ ہیں۔''

امام الائمہ ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں:

''روئے زمین پر امام بخاریؒ سے بڑھ کر کوئی حدیث کا عالم اور حافظ نہیں۔'' [7]

امام ترمذیؒ امام بخاریؒ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

جعلک الله زين هذه الامه.

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اُمت کی زینت بنایا ہے۔'' [8]

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''امام بخاریؒ ذہانت میں بے مثال، علم میں کامل اور تقویٰ وعبادت میں منفرد تھے۔'' [9]

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

هو الحافظ و امام اهل الحديث فی زمانه. [10]

''وہ اپنے وقت کے حدیث کے حافظ اور امام ہیں۔''

ابن رجاءؒ کہتے ہیں:

هو اية من ايات الله تمبشی علی الارض. [11]

''آپ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں جو روئے زمین پر رواں دواں ہے۔''

اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں:

هو ابصر منی. [12]

ابن السبکیؒ نے طبقات میں آپؒ کو امام المسلمین وقدوۃ الموحدین کے القاب سے یاد کیا ہے۔ [13]

مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے بھی کھلے دل سے امام بخاریؒ کی شان کا اعتراف کیا ہے۔ [14]

الفلاس کہتے ہیں:

كل حديث لا يعرفه البخاری فليس بحديث. [15]

امام دارمیؒ فرماتے ہیں:

''بخاریؒ فن حدیث میں بہت زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔ خدا کی مخلوق میں سب سے

بڑھ کر سمجھدار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو انہوں نے خوب سمجھا۔"[16]

امام بخاریؒ کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے ضروری مراجع:

نام کتاب	نام مؤلف اور سن وفات	صفحات	اجزاء	تاریخ، مقام اشاعت
تاریخ بغداد	خطیب بغدادی، 463ھ	2	31/4	1349ھ، مصر
وفیات الاعیان	ابن خلکان، 481ھ	3	331/329	1367ھ، مصر
تذکرۃ الحفاظ	الحافظ الذہبی، 748ھ	2	556-555	حیدرآباد (انڈیا)
الطبقات الشافعیۃ الکبری	ابن السبکی، 771ھ	2	228-202	1383ھ، مصر
البدایہ والنہایہ	ابن کثیرؒ 774ھ	3	27-24	مصر
تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی، 852ھ	9	54-47	1326ھ، انڈیا
التاج المکلل	صدیق حسن خان، 1307ھ	2	108-106	1382ھ، انڈیا
الاعلام	الزرکلی	6	259-258	1347ھ، مصر

صحیح بخاری کا پورا نام:

الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و ایامہ

جامع صحیح کی خوبی:

امام حاکم نیشاپوریؒ لکھتے ہیں:

جس طرح امام بخاریؒ احادیث کے ضبط و حفظ اور جمع ومعرفت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اسی طرح تصنیف کے معاملہ میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ فرماتے ہیں:

ولو قلت انی لم ارتصنیف احدیشنبہ تصنیفہ فی الحسن والمبالغة لم اکن بالغت.[17]

امام بخاریؒ نے خود فرمایا کہ محدث یگانہ اسحاق بن راہویہؒ نے میری تصنیف کردہ کتاب "تاریخ" کو ملاحظہ فرمایا تو اس قدر خوش ہوئے کہ اسے امیر وقت عبداللہ بن طاہر کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا:

الا اریک سحرا.[18]

"کیا میں آپ کو ایک باکمال جادونگار کی جادوگری نہ دکھاؤں۔"

بلاشک وشبہ تاریخ صغیر وکبیر کو اگر سحر بخاریؒ ہے تو تصنیف الجامع الصحیح بجائے خود ان کی کرامت ہے:

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظر آنہ

مؤلفات تو امام صاحب کی بہت زیادہ ہیں مثلاً تاریخ صغیر و کبیر' تاریخ اوسط کے علاوہ خلق افعال العباد' کتاب الضعفاء' کتاب الہبہ' کتاب الکنیٰ' الادب المفرد' جزء رفع الدین' جزء القرأت وغیرہا مگر جو خوبی اور کمال صحت و تہذیب الجامع الصحیح کو حاصل ہے' وہ ان کی کسی اور تصنیف کو حاصل نہ ہوئی۔[19]

اسی لئے الجامع الصحیح کے متعلق یہ مقولہ مشہور ہے:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ.

''کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کا مقام ہے۔''[20]

امام ذہبیؒ نے ''الجامع'' کے متعلق لکھا ہے:

اما الجامع للبخاری فاجل کتب الاسلام و افضلها بعد کتاب الله.[21]

حافظ ابن کثیرؒ نے ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کیا ہے:

لیستقی بقراته الغمام و اجمع علی قبوله و صحته ما فیه اهل الاسلام.[22]

''ابروسحاب اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور اہل اسلام کا اس کی صحت و پذیرائی پر مکمل اتفاق ہے۔''

احتیاط کا یہ عالم تھا کہ امام محمد بن اسماعیلؒ خود فرماتے ہیں:

''میں نے کتاب الجامع الصحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی جب تک کہ لکھنے سے پہلے غسل کر کے دوگانہ ادا نہ کر لیا ہو اور اس کی صحت کا یقین نہ ہو گیا ہو۔ کتاب کی تصنیف کا آغاز بیت الحرام میں ہوا اور ابواب و تراجم مسجد نبویﷺ میں منبر اور روضہ اقدس کے درمیان لکھے۔''[23]

امام بخاریؒ کے دل میں اس بلند پایہ تالیف کا خیال کیونکر پیدا ہوا' اس کو انہوں نے خود بیان کیا ہے:

''میں اپنے اُستاد اسحاق بن راہویہؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے تلامذہ میں ایک صاحب نے یا بروایت دیگر خود انہوں نے کہا: اگر کوئی شخص رسول اللہﷺ کی سنن کے بارے میں ایک مختصر مگر صحیح کتاب ترتیب دے دے تو یہ بہت اچھا ہو گا۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ عمل کرنے والوں کے لئے اس میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ وہ بغیر فقہاء و مجتہدین کی منت پذیری کے حقیقت حال کو جان سکیں گے...... میں نے جب یہ تجویز سنی تو دل کو ایسی بھائی کہ اس کے نتیجے میں' میں نے اس جامع اور صحیح کتاب کو مرتب کر ڈالا۔''[24]

امام ہمامؒ نے جب اپنی اس معرکۃ الآراء تصنیف کو امام احمد' ابن معین اور ابن المدینی رحمہم اللہ جیسے جہاندیدہ فن کے روبرو کیا تو انہوں نے اس کی توثیق کی[25] اور اتنے بڑے ذخیرۂ

یث میں چار ایسی احادیث کی نشاندہی کی جو ان کے نقطۂ نظر سے صحت کے اعلیٰ معیار پر پوری
ں اُترتی تھیں اور ان چار حدیثوں کے بارے میں بھی عقیلی کی یہ رائے ہے کہ شرائط صحت کے
ن مطابق ہیں۔

القول فیها قول البخاری.[26]

ثروط صحیح بخاری:

- سب ناقلین و رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو۔
-2 سلسلہ روایت متصل ہو، منقطع نہ ہو۔
-3 اگر معنعن روایت ہو تو راوی کا اپنے شیخ سے لقاء ضرور ثابت ہونا چاہئے۔
-4 اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاریؒ سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاریؒ کے معاصرین کا اتفاق ہو۔
-5 علت و شذوذ سے خالی ہو۔

جامع صحیح کی خصوصیات:

-1 امام بخاریؒ کو دوران تالیف میں جب کبھی تالیف کا سلسلہ چھوڑنا پڑا تو دوبارہ جب بھی شروع کیا تو اس کی ابتداء بسم اللہ سے کی اس لئے درمیان میں متعدد جگہوں پر بسم اللہ مذکور ہے۔

-2 عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں صیغۂ تمریض سے روایات کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جن معلق روایات کو امام موصوف نے صیغۂ جزم سے بیان کیا ہے، ان کی صحت کا فیصلہ کیا گیا ہے لیکن جب صیغۂ تمریض سے بیان کرتے ہیں تو ان کی صحت کا حکم تو نہیں لگایا جائے گا لیکن صحیح بخاری میں آ جانے کی وجہ سے ناقابل اعتبار بھی نہیں سمجھا جائے گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے علامہ نوویؒ کے کلام پر تعقب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں صحیح رائے ہمارے شیخ کی ہے کہ امام بخاریؒ صیغۂ تمریض کو ضعف اسناد کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ جب کبھی متن کو بالمعنی انتصار کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو صیغۂ تمریض سے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

-3 صحیح بخاری کا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی وغیرہ میں پڑھنا تریاق مجرب ہے۔

-4 عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاریؒ جب قال فلاں کہتے ہیں تو یہ مذاکرہ پر محمول ہوتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا رُتبہ تحدیث سے کم ہے اور یہ صیغہ وہاں استعمال

کرتے ہیں جہاں روایت ان کی شرط پر نہیں ہوتی لیکن یہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ کبھی اس کو صیغۂ تحدیث سے بھی بیان کر دیتے ہیں۔

5- امام بخاریؒ کا معمول ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ آ جاتا ہے جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال نقل کر دیتے ہیں' اسی طرح کبھی باب کی مناسبت سے آیات قرآنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اکثر آیات کے بجائے صرف اس کے چند الفاظ نقل کر دیتے ہیں۔ کتاب التفسیر و کتاب بدالخلق میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں۔

6- محدثین کرام کے نزدیک سند عالی کی بڑی خصوصیت رہی ہے' بخاریؒ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ اس میں بائیس روایات ثلاثی ہیں جن کا تذکرہ حاشیہ پر نہایت جلی قلم سے کیا گیا ہے' ان میں سے بعض ثلاثیات کے شیوخ حنفی ہیں اور دو کے متعلق تحقیق نہیں۔
(لامع' ص 30)

7- شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امام بخاریؒ کے پیش نظر طرق استنباط ہے' اس لئے ایک ہی حدیث کو استنباط مسائل یا کسی دوسرے مقصد سے متعدد مقامات پر بیان کرتے ہیں مثلاً انما الاعمال بالنیات والی روایت کو 13 مقام پر ذکر کیا ہے حالانکہ امام موصوف نے خود فرمایا ہے کہ میں مکرر روایات کو اس کتاب میں داخل نہ کروں گا۔
(بخاری' ج 1' ص 227)
حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ بالارادہ اپنی کتاب میں ایک ہی سند و متن کو مکرر نہیں لاتے' اگر کہیں تکرار ہے تو محض اتفاقی ہے۔ (مقدمہ فتح' ص 12)
پوری کتاب میں 22 روایات مکرر ہیں' جو اتنی ضخیم کتاب کے لئے زیادہ نہیں کہی جا سکتیں۔

8- تاریخ پر بھی امام بخاریؒ کی مجتہدانہ نظر ہے چنانچہ امام بخاریؒ ہر کتاب کے شروع میں اس کے زمانۂ نزول اور مشروعیت کی ابتداء کی طرف بھی کبھی کبھی اشارہ کر دیتے ہیں' خصوصاً جب کہ اس میں کوئی اختلاف ہو اور کبھی صراحت بھی کر دیتے ہیں۔

9- حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام موصوف ہر کتاب کے اختتام پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے مثلاً بدء الوحی کے آخر میں **فکان ذلک اخرشان هرقل** اور ''کتاب الحج'' کے ختم پر **واجعل موتی ببلد رسولک**. امام بخاریؒ ہر کتاب کے ختم پر کوئی ایسا لفظ بھی لاتے ہیں جس سے ختم زندگی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے' ان کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کو موت کے استحضار کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

-10 کتاب کی ابتداء اور انتہاء میں گہرا ربط ہے' حافظ ابن حجر نے اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ''کتاب التوحید'' پر ختم کیا ہے کیونکہ توحید ہی آخرت میں کامیابی اور ناکامی کی اصلی میزان ہے اور اس کی ابتداء انما الاعمال بالنیات کی حدیث سے فرمائی کیونکہ اعمال کی عنداللہ مقبولیت کے لئے اخلاص نیت ضروری ہے اور آخرت میں صرف وہی اعمال وزنی ہوں گے جو اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے کئے جائیں۔

صحیح بخاری کی کتب کی تعداد 97' ابواب کی تعداد 3450' غیر مکرر احادیث کی تعداد 2602' کل احادیث کی تعداد مع تکرار 7397 (البتہ دارالسلام لاہور مطبوعہ نسخے میں تعداد 7563 ہے)۔

شروحات:

''جامع صحیح'' اپنے دامن علم میں کس درجہ وسعتیں لئے ہوئے ہے اور فقہاء و محدثین کے حلقوں میں اس کی قبولیت و پذیرائی کا کیا عالم ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بقول صاحب ''کشف الظنون'' 82 ائمہ فن نے اس کی شروح رقم فرمائیں' جن میں زیادہ اہم چار ہیں:

-1 فتح الباری: احمد بن حجر عسقلانیؒ (المتوفی 852ھ)

اس میں علامہ موصوف نے بطریق محدثین' رجال' لغت اور تطبیق احادیث و آثار میں تحقیق و کاوش کے شاہکار پیش کئے ہیں۔ تازہ ایڈیشن میں اس کی سولہ جلدیں ہیں اور 17 ویں جلد اس کا مقدمہ ہے جس کا نام ''هدی الساری'' ہے۔

-2 عمدة القاری: علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی (855ھ) اس کے اندر علامہ عینی نے بھی مذکورہ بالا پہلوؤں کے علاوہ فقہی مسائل پر بھی بحث کی ہے۔

-3 التنقیح: بدر الدین الزرکشی (794ھ)

-4 التوشیح علی الجامع الصحیح: عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ کی ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کا مقابلہ (28)

-1 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کے اندر 430 سے کچھ زائد روایت کی ہیں۔ اس تعداد میں صرف اسی (80) راویوں کے متعلق علماء نے کلام کیا ہے لیکن مسلم کے خاص راوی 620 ہیں۔ ان میں 160 راویوں پر علماء نے کلام کیا ہے۔

-2 صحیح بخاری کے جن راویوں پر جرح کی ہے' ان سے امام بخاریؒ نے بہت کم روایت کی ہے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم ہے کہ اس میں ان کی مرویات بکثرت ہیں۔

3- صحیحین مجروحین زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن کا شمار امام بخاریؒ کے شیوخ میں ہوتا ہے اور مؤلف کو چونکہ ان کی مرویات کے متعلق انشراح حاصل تھا۔ بنابریں وہ ان سے روایت لاتے ہیں لیکن صحیح مسلم میں ایسے رواۃ تبع تابعین وغیرہ سے ہیں جن کو صحیح طور پر جانچنا مشکل ہے۔

4- امام بخاریؒ اوّل طبقہ سے اصولاً اور دوسرے طبقوں سے ضمناً روایت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر امام بخاریؒ دوسرے طبقوں سے استشہاداً روایت کرتے ہیں مگر امام مسلمؒ طبقہ ثانیہ سے بھی اصلاً روایت کرتے ہیں۔

5- امام مسلمؒ معنعن والی روایت میں اتصال کے لئے صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں مگر امام بخاریؒ معاصرت کے ساتھ لقاء کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

6- ائمہ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ جلالت قدر میں امام بخاریؒ کا مرتبہ امام مسلمؒ سے بہت بلند ہے۔ اس پر مستزاد یہ آپ امام مسلمؒ کے اُستاد ہیں اور صناعت حدیث میں زیادہ ماہر ہیں۔ اسی لئے امام دارقطنیؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ نہ ہوتے تو امام مسلمؒ فن حدیث میں اتنی شہرت حاصل نہ کرتے۔

7- صحت وقوت کے التزام کے ساتھ امام نے صحیح بخاری کے ابواب وتراجم میں جن فوائد فقیہ، نوادر حکمیہ اور دقائق استدلال و استنباط کا اظہار کیا ہے، یہ انہی کا حصہ ہے اس میں کوئی دوسرا شریک وسہیم نہیں۔ اسی حقیقت کو علماء حدیث نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فقه البخاری فی تراجمه.

اس کے برعکس امام مسلمؒ کی الجامع اس خوبی سے خالی ہے۔

8- علماء نے جامع صحیح بخاری وصحیح مسلم کی تمام حدیثوں میں سے 210 احادیث پر کلام کیا ہے، ان میں صرف اسی (80) احادیث بلکہ اس سے بھی کم حدیثیں بخاریؒ کی ہیں اور 130 حدیثیں مسلمؒ کی ہیں۔

9- بخاریؒ اور مسلمؒ میں ایک بڑا نازک فرق ادبی حیثیت کا بھی ہے۔ ایک حیثیت کے مضمون کو دونوں کتابوں میں دیکھئے بخاری کی طرز ادا، نشست الفاظ، سلاست بیان جس قدر پسندیدہ اور اعلیٰ ہوگی، اس کی نظیر مسلم میں کم ہی ملے گی اور صحیح بخاری میں مضامین کے اعتبار سے تنوع اور جامعیت پائی جاتی ہے یعنی جہاں اس میں احادیث رسول اللہ ﷺ کو بیان کیا گیا ہے، وہاں آثار صحابہ، غریب القرآن اور ارباب سیر کے طریق پر خصوصیات احوال وقائع پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

حوالہ جات

1- خطیب بغدادی: تاریخ بغداد (مصر' 1349ھ) 4/20
ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب (حیدرآباد (انڈیا) 1326ھ) 48/9
2- خطیب بغدادی: تاریخ بغداد' 4/2
3- الذہبی: تذکرۃ الحفاظ' حیدرآباد (انڈیا) 555/2
4- تذکرۃ الحفاظ' 2/555-556 ومقدمہ فتح الباری' ص 564
5- مقدمہ فتح الباری' ص 573
ابن خلکان: وفیات الاعیان (مصر' 1367ھ) 3/329-331
6- تہذیب التہذیب' 5719- والبدایہ والنہایہ' 26/11
ابن السبکی: الطبقات الثانیہ الکبریٰ (مصر' 1383ھ) 773/2
7- تذکرۃ الحفاظ' 1556/7- تہذیب التہذیب' 5719
البدایہ والنہایہ' 26/11
8- تہذیب التہذیب' 53/9
9- تذکرۃ الحفاظ' 556/2
10- البدایہ والنہایہ' 24/11
11- البدایہ والنہایہ' 26/11
12- البدایہ والنہایہ' 26/11
13- الطبقات الشافعیہ' 212/2
14- مولانا عبدالحیٔ لکھنوی: ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی (عظیم آباد' لکھنؤ)' ص 238
15- ابن کثیر: البدایہ والنہایہ' 26/11
16- ابن کثیر: البدایہ والنہایہ' 26/11
17- مقدمہ فتح الباری' ص 572
18- مقدمہ فتح الباری' ص 570
19- الزرکلی: الاعلام' 6/258-259
عبدالسلام بستوی: سیرۃ النبی ﷺ' اہلحدیث اکیڈمی' لاہور' ص 171-180
20- مقدمہ فتح الباری' ص 9 ومقدمہ ابن الصلاح' ص 7
21- تذکرۃ الحفاظ' 556/8
22- البدایہ والنہایہ' 2581-26

-23 مقدمہ فتح الباری' ص 49

-24 مقدمہ فتح الباری' ص 49

-25 امام محمد بن اسماعیل: جزء رفع الیدین (لاہور' 1309ھ)' ص 5

-26 مقدمہ فتح الباری' ص 578 - تہذیب التہذیب' 54/9

-27 السیوطی: تدریب الراوی (مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ' 1392ھ)' 130/1
عبدالسلام بستوی: سیرۃ بخاری' 340 ومابعدھا

-28 تدریب الراوی' 1/91-98
عبدہ الفلاح: صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین (لائل پور)' ص 46-47



سنن ابی داوٗدؒ

صحاح ستہ میں شامل حدیث کی مشہور کتاب' اس کے مصنف امام حافظ سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر الازدی البجستانی (202ھ- 275ھ) ہیں۔

امام ابوداوٗد جب سنن کی ترتیب سے فارغ ہوئے تو اسے لے کر امام احمد بن حنبلؒ کے پاس گئے' انہوں نے اسے بہت پسند فرمایا۔

مؤلف نے اس کتاب کو صرف احادیث احکام کے لئے مختص کیا ہے۔ اس کتاب میں فقہی احادیث کا جتنا ذخیرہ موجود ہے' وہ صحاح ستہ میں سے کسی دوسری کتاب میں نہیں۔

سنن ابی داوٗد کی خصوصیات:

کتب ستہ کی علیحدہ علیحدہ کچھ خصوصیات ہیں اس لئے کہ ہر کتاب کے مصنف نے کوشش کی ہے کہ اس کی کتاب میں کوئی نئی اور کارآمد بات ایسی ہو جو دوسری کتابوں سے اس کو ممتاز کر دے' اس کی تفصیل ہر ایک کے حالات کے ساتھ کی جائے گی فی الحال ہمارے پیش نظر سنن ابی داوٗد کی خصوصیات کو بیان کرنا ہے' پورا مضمون اور بالخصوص یہ حصہ حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے افادات سے ماخوذ ہے جو بذل المجہود کی تصنیف میں شروع سے اخیر تک شریک رہے ہیں اور مزید برآں 35 سال تک سنن ابی داوٗد کا درس دیا ہے۔

1- مصنف کبھی ایک ہی سند میں مختلف اسانید کو بیان کر دیتے ہیں' اسی طرح کبھی ایک متن میں مختلف متون کو اکٹھا کر دیتے ہیں' پھر ان میں سے ہر حدیث کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان فرماتے ہیں جیسے مسدد بن مسرہد نے حماد بن زید و عبدالوارث دونوں ہی سے روایت کیا ہے تو مصنف نے دونوں کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ "عن وارث و حماد" کہہ کر بیان کر دیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کے الفاظ کا اختلاف ظاہر ہو جائے اور یہ دونوں ہی مسدد کے استاد ہیں۔ (بذل' ج 1' ص 30)

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے: ان کے اصول میں سے یہ ہے کہ جب کسی راوی کے الفاظ میں کوئی زیادتی یا کمی یا تغیر واقع ہوتا ہے یا راوی کا کوئی وصف وغیرہ بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس کو دوسری روایت سے علیحدہ کر دیتے ہیں اور جملہ معترضہ کے طور پر اثنائے سند یا اثنائے متن میں یا آخر سند میں اسی کو بیان کرتے ہیں' اسی طرح جب دو ایک راوی پر جمع ہو جاتی ہیں تو اگر ایک نے حدثنا کے ساتھ روایت کیا اور دوسرے نے عنعنہ سے تو پہلے "حدثنا" والی روایت کو مقدم کرتے ہیں اور "عنعنہ" کو م

کرتے ہیں۔ (ماخوذ از تقریر گنگوہیؒ)

2- اسی طرح امام موصوف نے فرمایا ہے کہ وہ حدیث طویل کو کبھی مختصر بیان کرتے ہیں کیونکہ اگر پوری حدیث ذکر کر دی جائے تو بعض سننے والے اس کی فقاہت کو سمجھ نہ سکیں گے۔

3- انہوں نے فرمایا ہے کہ جب وہ دو یا تین حدیثیں ایک باب میں ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد کسی خاص نقطۂ نظر کو بیان کرنا ہوتا ہے' جو پہلی روایت میں موجود نہیں یا کسی روایت میں کسی خاص حیثیت سے مزید کلام کی ضرورت ہوتی ہے تو متعدد احادیث کو ایک باب کے تحت لاتے ہیں ورنہ اختصار ہی سے کام لیتے ہیں۔

4- انہوں نے فرمایا ہے کہ صرف 13 جگہیں ہیں جہاں اقدام کی روایت کو احفظ کی روایت پر مقدم کیا ہے۔

5- اسی طرح کبھی ایک ترجمہ کے تحت مختلف روایات کو جمع کر دیتے ہیں جیسا کہ باب کراهة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة میں استدبار عندالحاجة کی روایت بھی لائے ہیں۔

6- اور کبھی ترجمة الباب اس طور پر قائم کرتے ہیں کہ خود ترجمہ کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ احادیث سے ثابت شدہ حکم کے اندر یہ چیزیں بھی شامل ہیں جیسے ترجمہ لائے ہیں:

باب المواضع التی نهی عن البول فيها.

حالانکہ حدیث کے اندر کہیں بول کا تذکرہ نہیں ہے' صرف براز کا تذکرہ موجود ہے لیکن چونکہ دونوں لازم وملزوم ہیں اس لئے ترجمہ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ دونوں کے اندر علت ممانعت ایک ہے' براز کے ساتھ بول بھی شامل ہے۔

7- اسی طرح امام موصوف کی سنن میں ایک حدیث ثلاثی بھی ہے جبکہ سند عالی کی محدثین کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے چنانچہ امام بخاریؒ کی ثلاثیات بہت مشہور ہیں اور انہیں ان کی کتاب کا ایک اہم باب سمجھا جاتا ہے' وہ حدیث کتاب السنته باب الحوض کی آخری حدیث ہے' جو رباعی ہے مگر درحقیقت ثلاثی کے حکم میں ہے۔

8- امام ابوداؤدؒ نے جس فضاء میں آنکھیں کھولیں' دولت عباسیہ اپنے شباب پر تھی۔ اسلامی تہذیب وثقافت کے آب صاف میں ایرانی تہذیب وثقافت کی کثافت مل کر اسے گدلا کر رہی تھی' امام صاحب نے کوشش کی کہ اُمت اسلامیہ عجمی اثرات سے محفوظ رہے' اس مقصد کے پیش نظر اپنی سنن میں کتاب الآداب کو ایک ممتاز درجہ دے دیا۔

(ابوداؤد کتاب الجنائز' ج 2' ص 57)

سنن ابی داؤد میں کتب کی تعداد 40' ابواب کی تعداد 1813 اور احادیث کی تعداد 5274 ہے۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کیلئے کافی ہیں:

امام ابوداؤدؒ نے اتنی روایات میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے صرف یہ حدیثیں کافی ہیں: (ماخوذ از افادات مولانا محمد اسحاق مدظلہ)

1- **انما الاعمال بالنیات.** (تمام اعمال کی مقبولیت کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔)

2- **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه.** (انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔)

3- **لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضٰی لاخیه ما یرضٰی لنفسهٗ.** (مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔)

4- **الحلال بین والحرام بینٌ..... الخ.** (حلال وحرام واضح ہیں مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ ومشکوک چیزیں بھی ہیں' جو ان سے بچے گا' وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر سکے گا۔)

سنن ابی داؤد کی مشہور شروح:

1- امام ابوسلیمان احمد بن ابراہیم البستیؒ (388ھ)..... معالم السنن

2- حافظ ابن قیم الجوزیہ..... تہذیب السنن

3- علامہ شمس الحق عظیم آبادی..... غایۃ المقصور اور عون المعبود

4- علامہ خلیل سہارنپوری..... بذل المجھود



امام ترمذیؒ

(209ھ - 279ھ)

نام ونسب:

محمد نام اور ابوعیسیٰ کنیت ہے۔ قبیلہ بنوسلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا پورا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی بوغی (لیکن سمعانی نے ان کے نسب نامہ میں بوغی کے بجائے شداد لکھا ہے۔)

امام ترمذیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں علم حدیث شہرت کے درجے کو پہنچ چکا تھا بالخصوص خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے تو مرکزی حیثیت رکھتے تھے اور امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدث کی مسند علم بچھ چکی تھی۔

امام موصوف نے جونہی شعور کی آنکھیں کھولیں، انہیں علم حدیث کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہو گیا چنانچہ انہوں نے اس کے حصول کے لئے مختلف حصوں، علاقوں اور ملکوں کا سفر کیا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

طاف لبلاد و سمع خلقا من الخراسانیین والواقین والحجازیین.

(تہذیب التہذیب، 388/9)

جامع ترمذی کی بعض کتابی خصوصیات:

تمام محدثین کی کتابوں میں کچھ علیحدہ علیحدہ خصوصیتیں موجود ہیں، صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ہر ایک نے اپنی جگہ یہ کوشش کی ہے کہ "اس کی کتاب میں کوئی نئی اور مفید بات موجود ہو جو کہ اسے دیگر کتب سے ممتاز کر سکے۔"

ذیل میں امام ترمذیؒ کی سنن کی خصوصیات درج کی جا رہی ہیں:

1- کبھی امام ترمذیؒ ترجمۃ الباب کسی صحابیؓ کی مشہور حدیث سے منعقد کرتے ہیں، جس کی سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور اس حدیث کی صحاح ستہ کے مؤلفین نے بھی تخریج کی ہوتی ہے لیکن اس ترجمہ کے تحت اس حکم کو دوسرے صحابی کی حدیث غیر معروف سے ثابت کرتے ہیں اگرچہ اس کی اسناد حدیث منعقد ترجمہ سے کم درجہ کی ہوتی ہے لیکن اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فی الباب عن فلان و فلان..... الخ

اور پوری ایک جماعت کا تذکرہ کر دیتے ہیں جس میں اس صحابی کا نام لے لیتے ہیں جس کی حدیث سے ترجمہ منعقد کیا تھا' اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث غیر مشہور سے واقفیت بھی ہو جاتی ہے اور اگر اس میں کوئی علت خفیہ ہے تو اس کا اظہار بھی کر دیتے ہیں' اسی طرح متن کی کمی و زیادتی کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

(نفع قوت المقتدی' ج 1' ص 8)

-2 ان کی عادت یہ ہے کہ فی الباب عن فلان و فلان کہتے ہیں یعنی بہت سے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی عن فلان عن ابیہ کہتے ہیں اور اس میں متعدد باتیں ان کے پیش نظر ہوتی ہیں' کبھی تو یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان صحابی کے صرف بیٹے ہی نے ان سے روایت کی ہے اور کبھی صحابی کے نام میں اختلاف ہوتا ہے تو بیٹے کا نام التباس دور کرنے کے لئے بیان کر دیتے ہیں لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ صحابی کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے بھی ایسا کر دیتے ہیں۔

-3 عام طور پر جس صحابی کی روایت باب کے تحت لاتے ہیں پھر فی الباب میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے مثلاً باب کے تحت اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث لائے تو فی الباب عن ابی ھریرۃؓ نہیں کہیں گے البتہ چند جگہیں مستثنیٰ ہیں مثلاً باب الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب. اس باب میں حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے اور دوبارہ پھر فی الباب عن جابر کہا ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں:

''ممکن ہے حضرت جابرؓ کی دوسری روایت کی طرف اس باب میں اشارہ کر رہے ہوں۔'' (تدریب)

-4 اسی طرح حدیث طویل کو مختصر کر کے آخر میں فرماتے ہیں:

فیہ قصۃ و فیہ کلام اکثر من ھذا.

-5 اسمائے مشترکہ کے درمیان تمیز کرتے ہیں جیسے یزید الفارسی و یزید الرقاشی۔ اسی طرح ان کنیتوں کے درمیان جن میں اشتراک ہوتا ہے اس کے فرق کو بھی ترمذی واضح کر دیتے ہیں جیسے ابو حازم الزاھد' ابو حازم الاشجعی پہلے کا نام سلمہ ابن دینار مدنی اور دوسرے کا نام سلمان کوفی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی طرح کا غموض و خفاء ہوتا ہے' وہاں لازمی طور پر اس کو واضح کر دیتے ہیں۔

-6 اسی طرح سے باب بلا ترجمہ کے لاتے ہیں اور اس میں کسی حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: فی الباب عن فلان. اس کے ذریعہ سے اس مضمون کی دوسری روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں نیز باب بلا ترجمۃ سے کسی ایسے مسئلہ کی طرف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق ماقبل کے ترجمۃ الباب سے ہے جیسا کہ ان کے شیخ

امام بخاریؒ کا طرزِ عمل اور طریقہ کار ہے۔

-7 اسی طریقے سے ترجمہ کے تحت حدیث لانے کے بعد کہتے ہیں: **فی الباب عن فلان** یعنی کسی دوسرے صحابی کا یہاں ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اسی صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں جس کی حدیث کی طرف **فی الباب** میں اشارہ کیا گیا تھا' بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابی کی یہی حدیث مراد ہے جس کو بعد میں ان سے روایت کر رہے ہیں مثلاً **باب زکوۃ البقر** میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

وفی الباب عن معاذ بن جبلؓ

اور پھر اس کے بعد حضرت معاذؓ سے تقریباً اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے جو ابن مسعودؓ کی روایت میں تھا۔

-8 اسی طرح ترجمہ کے تحت میں کبھی دو مرتبہ **وفی الباب عن فلان** کہتے ہیں جیسے **باب اکل لحوم الجلالة** میں پہلے ابن عمرؓ کی روایت کو لے آئے ہیں اور پھر کہا: **وفی الباب عن ابن عباسؓ** اور ابن عباسؓ کی پوری روایت نقل کر دی ہے اور اس کی تصحیح و تحسین کے بعد فرماتے ہیں:

وفی الباب عن ابن عمرؓ

اور روایت نہیں نقل کی۔ بظاہر دوبارہ **فی الباب** کہنے سے ان کی غرض یہ ہے کہ حدیث اوّل کے ہم معنی ابن عمرؓ سے دوسری روایت بھی موجود ہے **کما فی ابی داؤد** وغیرہ۔

-9 عام طور پر اکثر ابواب میں خصوصاً احکام کی حدیث میں ایک ہی حدیث کے درج کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس حدیث کے دیگر طرق یا اس باب کی دیگر روایات کی طرف اشارہ کر دیا ہے' اس لئے احکام کی احادیث کی تعداد ان کی کتاب میں بہت کم ہے لیکن اس کا تدارک **فی الباب عن فلاں** کے ذریعہ کر دیتے ہیں۔ یہ ترمذی کی ایسی خصوصیت ہے جس کی محدثین کی نظر میں بہت اہمیت ہے کیونکہ اس کے ذریعے اس حدیث یا اس مضمون کے روایت کرنے والے صحابہؓ کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے اور اس میں ایسا استیعاب کیا ہے جس کی تخریج کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ حافظ ابن حجرؒ کی اس میں مستقل تصنیف ہے: **اللباب فیما یقول الترمذی فی الباب**. جو مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے' اس میں مصنف نے تخریج روایات کے علاوہ پوری طرح جرح و تعدیل سے کام لیا ہے' **فی الباب** سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ امام ترمذی نے جن رواۃ کے اسماء کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لوگ بعینہٖ اسی متن کو روایت کر رہے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:
''اس سے وہ حدیث معین مراد نہیں ہوتی بلکہ اس کے ہم معنی دیگر روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔''
چنانچہ علامہ عراقی کا کہنا ہے:
''کبھی وہی حدیث معین ہی مراد ہوتی ہے اور کبھی اس مضمون کی دیگر روایات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔'' (تدریب' ص 83)

-10 کبھی ترجمہ کے تحت احادیث غریبہ کو لاتے ہیں اور اسی باب کی دیگر روایات صحیحہ کی طرف ''فی الباب'' سے اشارہ کر دیتے ہیں اگرچہ امام ترمذیؒ کے تخریج روایت کی شرطیں شیخین و ابوداؤد اور نسائی سے کم درجہ رکھتی ہیں لیکن صحت وضعف اور علل حدیث پر بھی تنبیہ کرکے اس کی تلافی کر دیتے ہیں۔
حافظ ابن رجب حنبلی نے شرح علل ترمذیؒ میں تحریر فرمایا ہے:
''امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں حدیث صحیح وحسن اور غریب کو بیان کیا ہے جن میں بعض مناکیر بھی ہیں خصوصاً فضائل میں لیکن ساتھ ہی اس کی صحت وضعف کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔''
لیکن علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں:
''اگر حدیث ضعیف یا طبقہ رابعہ کی ہوتی ہے تو اس کے ضعف پر تنبیہ کر دیتے ہیں اور اس صورت میں یہ روایت ان روایات صحیحہ فی الباب کے لئے بمنزلہ شاہد و متابع کے بن جاتی ہیں اور امام ترمذیؒ کا اعتماد حقیقت میں وہی روایات صحیحہ ہی ہوتی ہیں جو جمہور کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔'' (شروط الائمۃ' ص 44)

-11 امام ترمذیؒ کی عادت ہے کہ عام طور پر دو طرح کے تراجم قائم فرماتے ہیں' ایک ترجمہ سے اہل حجاز جس میں عام طور پر امام شافعی مراد ہوتے ہیں' ان کے مسلک کی تائید مقصود ہوتی ہے اور دوسرے ترجمہ سے اہل عراق جس میں عام طور پر امام ابوحنیفہؒ ہوتے ہیں' اس سے ان کے مسلک کی تائید فرماتے ہیں۔ (عرف الشذی)

-12 امام ترمذیؒ حدیث کی صحت اور حسن کا فیصلہ صادر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
''والعمل علی ھذا عندا ھل العلم أو اکثرا ھل العلم أو عند بعض اھل العلم.''
اس کے ذریعہ سے فقہاء کے مذاہب کا علم ہو جاتا ہے اور بعض ایسے فقہاء کا مسلک معلوم ہوتا ہے جن سے واقفیت امام ترمذیؒ کے واسطہ کے بغیر مشکل ہے۔

-13 اسی طرح امام ترمذیؒ جب کسی حدیث کو حسن یا غریب کہتے ہیں تو عام طور پر ان دونوں

میں سے جو وصف غالب ہوتا ہے اس کو مقدم کرتے ہیں جیسے "باب ما جاء فی الاربع قبل العصر" (جامع الترمذی، ج 1، ص 57)

اس باب کے تحت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت "رحم الله امرءً اصلی أربعاً...... الخ." نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "هذا حديث حسنٌ غريبٌ" علامہ عراقی کی رائے ہے کہ حسن و غرابت میں جو وصف غالب ہوتا ہے اس کو مقدم فرماتے ہیں، پس ابن عمرؓ کی یہ حدیث صرف ایک ہی سند سے مروی ہے لیکن حسن کا وصف غالب ہے، اسی ضابطہ کو مصنف نے یہاں بھی ملحوظ رکھا ہے۔ (تدریب، ص 55)

سنن ترمذی میں کتب کی تعداد 46، ابواب کی تعداد 4021 اور احادیث کی تعداد 3956 ہے۔

امام ترمذیؒ کی سنن کی بعض احادیث پر حافظ ابن الجوزی نے تنقید کی ہے اور اس میں سے تیس احادیث کو موضوع قرار دیا ہے تاہم یہ بات مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ ہزاروں صحیح احادیث کی موجودگی میں چند موضوع یا کچھ ضعیف احادیث کی موجودگی سے کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

سنن کی مشہور شروح:

1- قاضی ابوبکر بن العربی (ف 542ھ)...... شرح سنن ترمذی
2- ابن سیّد الناس محمد بن محمد (ف 659ھ) کی شرح
3- حافظ زین الدین العراقی (ف 806ھ) کی شرح
4- حافظ عمر بن ارسلان البلقینی (ف 805ھ) کی العرف الشذی
5- علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری (ف 1353ھ) کی تحفة الاحوذی



سنن نسائی...... المجتبیٰ

حدیث کی یہ ایک مشہور کتاب ہے جس کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ اس کے مصنف امام احمد بن شعیب النسائی ہیں۔ آپ 214ھ یا 215ھ میں پیدا ہوئے اور 13 صفر 303ھ کو فوت ہوئے۔

علم الرجال میں امام نسائی بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ وہ راویوں کے معاملے میں بہت شدید ہیں اور پوری طرح چھان پھٹک کے بعد روایات لیتے ہیں۔ ان کی شرط اس معاملے میں امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ سے بھی سخت ہے۔

سنن نسائی کی خصوصیات:

سنن نسائی کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

1- صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف احادیث اس کتاب میں ہیں اس لئے بعض محدثین صحیح مسلم کے بعد نسائی کو درجہ دیتے ہیں۔

2- سنن نسائی، بخاری اور مسلم کے طریقوں کا مجموعہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث کی علل کا ذکر بھی ہے۔

3- علل کے بیان میں امام نسائی مہارت رکھتے ہیں، اس لئے کسی ایسے راوی کی روایت کا ذکر نہیں کرتے جس پر وہم کا غلبہ ہو یا جس کی غلطیاں بہت ہوں۔

4- سنن نسائی میں صرف احادیث احکام ذکر کی گئی ہیں۔

5- تراجم ابواب کے لحاظ سے سنن نسائی صحیح بخاری سے کافی مشابہ ہے۔

6- امام نسائی نے اس کتاب میں علم رجال اور علل کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل پر بھی اظہار رائے کیا ہے۔

7- امام نسائی نے اس کتاب میں روایت ذکر کرتے ہوئے حدثنا اور اخبرنا میں فرق کیا ہے۔

8- عالی ترین سند میں چار واسطے ہیں اور نازل ترین سند میں دس ذریعے پائے جاتے ہیں۔

سنن نسائی کی شروح:

سنن نسائی کی مشہور شروح یہ ہیں:

1- امام سیوطی...... زهر الربى على المجتبىٰ

2- امام نور الدین ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندی...... تعلیقات

3- علامہ علی بن سلیمان الدمنتی...... زھر الربی علی المجتبیٰ

4- مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (ف 1409ھ)...... التعلیقات السلفیۃ

سنن نسائی میں کتب کی تعداد 51' ابواب کی تعداد 2527 اور احادیث کی تعداد 5774 ہے۔



سنن ابن ماجہ

یہ کتاب جناب ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ القزوینی کی تصنیف ہے۔
209ھ میں پیدا ہوئے اور 273ھ کو وفات پائی۔ ان کی کتاب السنن کو حافظ محمد بن طاہر المقدسی (507ھ) نے صحاح ستہ میں شامل کیا۔ اس کتاب کوصحاح ستہ میں شامل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سنن ابن ماجہ کی احادیث میں زوائد کی ایک کثیر تعداد ہے۔ جو کتب خمسہ میں نہیں ہیں۔ مؤطا امام مالک کوصحاح ستہ میں شامل نہ کرنے کا سبب اس میں مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ موقوف روایات، فتاویٰ صحابہ وتابعین اور امام مالک کی فقہی آراء بھی شامل ہیں۔
سنن ابن ماجہ میں صحیح، حسن اور ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں بلکہ منکر اور موضوع احادیث بھی قلیل تعداد میں موجود ہیں اس لئے یہ کتاب بقیہ کتب سے درجے میں کمتر ہے۔
سنن ابن ماجہ میں (ابن الجوزی کی رائے میں) موضوع احادیث کی تعداد 34 ہے۔ البتہ عمر القزوینی (ف 750ھ) نے پانچ، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے سات اور شیخ البانی نے صرف 32 موضوع حدیثوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس میں بعض ثلاثیات بھی ہے۔

سنن ابن ماجہؒ اور اس کی خصوصیات:

سنن ابن ماجہ ایک اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی افادیت و اہمیت پر علماء محدثین کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

1- وكتابه في السنن جامع جيد. (تہذیب التہذیب، ج 9، ص 31)
''ان کی کتاب سنن (احکام) میں ایک عمدہ جامع ہے۔''
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:
''یہ کتاب نہایت مفید ہے اور مسائل فقہ کے لحاظ سے اس کی ترتیب وتبویب ہے۔''
(الباعث الحثیث، ص 90)
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس اجمال کی یہ تفصیل فرمائی ہے:
''وفی الواقع از حسن ترتیب وسرد احادیث بے تکرار و اختصار آنچہ ایں کتاب دارد ہیچ از کتب ندارد۔'' (بستان، ص 125)

2- اس کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت سی ایسی نادر حدیثوں پر مشتمل ہے جن سے صحاح خمسہ خالی ہیں۔ علامہ ابوالحسن سندی فرماتے ہیں:
''مصنف نے بہت سے ابواب میں ایسی حدیثوں کونقل کیا ہے جو پانچوں مشہور کتابوں

میں نہیں ہیں، اگرچہ وہ ضعاف ہیں لیکن اسی مضمون کی دوسری حدیثیں بھی ہیں جن کو دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔"

-3 مصنف نے مختلف شہروں کی مخصوص روایات کی نشان دہی بھی کی ہے مثلاً "باب کل مسکر حرام" کے تحت دو روایتوں کو نقل کیا ہے:

(i) حدثنا یونس بن عبدالاعلی ثنا ابن وهب اخبرنا ابن جریج عن ایوب بن هانی عن مسروق عن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ ﷺ قال کل مسکر حرام...... الخ.

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"هذا حدیث المصریین." (یہ مصریوں کی حدیث ہے۔)

(ii) حدثنا علی بن میمون الرقی ثنا خالد بن عیان عن سلیمان بن عبداللہ بن الزبرقان عن یعلی بن شداد بن اوس سمعت معاویة یقول کل مسکر حرام، هذا حدیث الرقیین. (یہ رقہ والوں کی حدیث ہے۔)

-4 مختلف احادیث کے ذیل میں بعض ایسے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے حدیث نبوی سے اس عہد کے مسلمانوں کے تعلق کا پتہ چلتا ہے مثلاً:

"باب ما جاء فیما یستحب من التطوع بالنهار"

میں حبیب بن ثابت کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے راوی ابو اسحاق سبعی کو مخاطب کر کے فرمایا:

ما احب ان لی بحدیثک هذا ملاء مسجدک ذهبًا.

"مجھ کو تم نے جو حدیث سنائی اس کے بدلے میں تمہاری مسجد کے برابر بھرا ہوا سونا لینا بھی پسند نہ کرتا۔"

-5 پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پانچ ثلاثی حدیثیں بھی ہیں جبکہ امام مسلم و امام نسائی کی سب سے عالی روایات رباعیات ہیں جو سنن ابن ماجہ میں بکثرت موجود ہیں البتہ صحیح بخاری میں 22 اور سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں ایک ایک ہے۔

یہ پانچوں روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں، اگرچہ امام ابن ماجہ کے طبقہ کے لحاظ سے بہت عالی ہیں مگر سند کے اعتبار سے ان کا کوئی خاص وزن نہیں ہے، اس کے ایک راوی کثیر بن سلیم پر محدثین نے جرح کی ہے، وہ روایات حسب ذیل ہیں:

-1 **حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالک یقول قال رسول اللہ ﷺ من احب ان یکثر اللہ خیر بیته فلیتوضا اذا حضر غداءه واذا رفع. (باب الوضوء عندالطعام)**

-2 حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن انس بن مالک قال ما رفع من بین یدی رسول اللهﷺ فضل شواء قط ولا حملت معه طنفسة. (باب الشواء)

-3 حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالک قال قال رسول اللهﷺ الخیر اسرع الی البیت الذی یغشی من الشفرة الی سنام البعیر. (باب الضیافة)

-4 حدثنا جباره بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالک یقول قال رسول اللهﷺ ما مررت بلیلة اسری بی بملاء الا قالوا مر امتک بالحجامة. (باب الحجامة)

-5 حدثنا جبارۃ بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالک قال قال رسول اللهﷺ ان هذا الامة مرحومة عذابها بایدیها فاذا کان یوم القیامة دفع الی کل رجل من المسلمین رجلاً من المشرکین فیقال هذه فداء ک من النار. (باب صفة اُمت محمدﷺ)

سنن ابن ماجہؒ کے متعلق امام ابوزرعہ رازیؒ کا ارشاد:

عبداللہ بن عبدالکریم ابن فروخ رازی' المتوفی 264ھ علم حدیث کے مشہور امام ہیں' جن کے متعلق امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابو حاتم' ابو زرعہ' ابو دارہ یہ تین رے میں ایسے اشخاص ہیں جن کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں۔ (تذکرہ' ج 2' ص 30)

علامہ ذہبی' ابوزرعہ کے متعلق خود فرماتے ہیں:

کان من افراد الدهر حفظا وذکاءً و دینا و عملاً و علمًا. (تذکرہ' ج 2' ص 30)

''یہ حفظ حدیث' ذکاوت' دین داری اور علم و عمل کے لحاظ سے ان لوگوں میں سے تھے جو یکتائے زمانہ ہوئے۔''

انہوں نے سنن ابن ماجہ کو دیکھ کر یہ سند عطا فرمائی:

''اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی۔'' (بستان' ص 122)

حافظ ابوزرعہ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی' آج ہمارے سامنے بہت سی حدیث کی کتابیں ہیں' جو صحت و قوت اسناد کے لحاظ سے اس سے کہیں فائق ہیں مگر ان کو وہ مقبولیت حاصل نہیں جو سنن ابن ماجہ کو ملی جیسے صحیح ابن حبان' جس کے متعلق مؤرخ ابن العماد حنبلی نے تصریح کی ہے:

واکثر النقاد علی ان صحیحه اصح من سنن ابن ماجه. (شذرات ترجمہ ابن حبان)

''اور اکثر ناقدین حدیث کا خیال ہے کہ صحیح ابن حبان سنن ابن ماجہ سے اصح ہے۔''

سنن ابن ماجہ میں مقدمے کے علاوہ 37 کتب' 1512 ابواب' 4341 احادیث ہیں۔ (احادیث کی یہ تعداد فواد عبدالباقی کی گنتی کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی گنتی کے مطابق احادیث کی تعداد 4397 ہے۔)

سنن ابن ماجہ کی 3002 احادیث بقیہ کتب میں موجود ہیں۔ احادیث زوائد 1339 ہیں اور زوائد میں صحیح احادیث کی تعداد 428 ہے۔ زوائد میں 613 احادیث ضعیف ہیں اور 99 انتہائی ضعیف ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی شروح:

-1 حافظ جلال الدین السیوطی کی شرح...... مصباح الزجاجه علی سنن ابن ماجه

-2 الشیخ السندی المدنی (ف 1128ھ)...... شرح سنن ابن ماجه

-3 مولانا محمد علی جانباز...... افجاز الحاجة شرح سنن ابن ماجه



تعریف علوم الحدیث

علوم الحدیث سے مراد ان قواعد کی معرفت کا علم ہے جن کے ذریعے سے راوی اور روایت کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ ابو شامہ (ف 665ھ) نے علوم الحدیث کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1- متون حدیث کا حفظ' مشکل الفاظ کا علم اور اخذ کردہ مسائل کی معرفت
2- اسانید کا حفظ' راویوں کا علم اور صحیح اور ضعیف کی پہچان
3- حدیث کی جمع' کتابت' سماع' طرق کا حصول' طلب علم کی کوشش اور اس کو حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا

محدثین کرام نے علوم حدیث کو ایک سو کے قریب علوم میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ہر علم بذات خود فن کی حیثیت رکھتا ہے۔

موسوعة الحدیث (حدیث انسائیکلوپیڈیا):

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مجمع شکل میں دیکھنا ہر محدث کا خواب رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسے بھی ہمت دی' اس نے ہی کام کرنے کی کوشش کی۔

اوائل محدثین کرام کی احادیث جمع کرنے کی کوششیں مندرجہ ذیل صورتوں میں نظر آتی ہیں:

1- امام طبرانی (ف 360ھ) کی معاجم ثلاثہ (کبیر' اوسط اور صغیر)۔ حاجی خلیفہ کے مطابق صرف ''معجم کبیر'' میں پچیس ہزار احادیث ہیں۔
2- حافظ ابن کثیر (ف 774ھ) نے ''جامع المسانید'' کے نام سے صحابہ کرام کی تمام مسانید جمع کرنے کی سعی کی۔
3- حافظ سیوطی (ف 911ھ) نے ''الجامع الکبیر'' کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا جس میں مکررات سمیت بیالیس ہزار احادیث جمع کیں۔ مکررات کو حذف کرنے کے بعد ان کی تعداد 31624 احادیث ہے جیسا کہ المتقی الہندی (ف 975ھ) نے ''کنز العمال'' میں یہ احادیث بیان کی ہیں۔ ''کنز العمال'' کی احادیث کی تعداد 46624 ہے۔

ان مجموعوں کے علاوہ مختلف محدثین کی کاوشیں یہ ہیں:

4- ابن اثیر جزری (ف 606ھ)' جامع الأصول فی أحادیث الرسول...... احادیث کی تعداد 9523 ہے۔

5- حافظ ابن حجر (ف 852ھ)' المطالب العالیه بزوائد المسانید الثمانیه...... احادیث کی تعداد 4702 ہے۔
6- سیوطی (ف 911ھ)' الجامع الصغیر...... تعداد احادیث 10031 ہے۔
7- عبدالرؤف مناوی (ف 1031ھ)' کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق...... تعداد احادیث دس ہزار ہے۔
8- عبدالرؤف مناوی' الجامع الأزھر فی أحادیث النبی الأنور...... تعداد احادیث تیس ہزار ہے۔
9- محمد بن سلیمان الفاسی المغربی (ف 1093ھ)' جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد...... تعداد احادیث 10121 ہے۔
10- محمد ناصر الدین الألبانی (ف 1420ھ)' صحیح الجامع الصغیر و زیادته...... تعداد احادیث 8058 ہے۔
11- محمد ناصر الدین الألبانی' ضعیف الجامع الصغیر و زیادته...... تعداد احادیث 6469 ہے۔

ان مجموعوں کے باوجود اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جس میں تمام صحیح اور حسن احادیث جمع کر دی جائیں۔



تدوین حدیث

حدیث نبوی کی تدوین کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں کتابت حدیث سے منع فرمایا' تاہم بعد میں اجازت دے دی اسی لئے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے احادیث کو لکھنا شروع کر دیا۔ مندرجہ ذیل احادیث سے مزید وضاحت ہوتی ہے:

1- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث: ''میں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات یاد کرنے کی غرض سے لکھ لیتا تھا تو قریش کے افراد نے مجھے منع کیا کہ رسول ﷺ ایک بشر ہیں' کبھی خوشی اور کبھی خفگی کی حالت میں ہوتے ہیں' اس لئے بلاامتیاز آپ ﷺ کی ہر بات لکھ لینا مناسب نہیں ہے' تو میں رُک گیا۔ آپ ﷺ سے اس بات میں پوچھا تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لکھو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔''

(سنن دارمی' مقدمہ' باب من رخص فی کتابۃ العلم' حدیث 489)

2- حضرت ابوہریرۃ کی حدیث: ''صحابہ کرامؓ میں آپ ﷺ کی حدیثیں بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں' بجز عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔'' (صحیح بخاری' کتاب العلم' باب کتابۃ العلم' حدیث 113)

3- حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث: ''کسی انصاری صحابی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو (یعنی لکھ لیا کرو)۔'' (سنن الترمذی' ابواب العلم' 39/5)

4- فتح مکہ (8ھ) کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو ایک یمنی شخص نے درخواست کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لکھ دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو شاہ کے لئے لکھ دو۔'' (صحیح بخاری: کتاب العلم' باب کتابۃ العلم' حدیث 112)

5- حضرت انس کی حدیث: ''اس علم (یعنی حدیث) کو قلم بند کر لو۔'' (سنن دارمی' مقدمہ' حدیث 497)

6- حضرت رافع بن خدیج کی حدیث: ''میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ہم آپ ﷺ سے بعض باتیں سنتے ہیں' کیا ہم انہیں لکھ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھ لو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' (التدریب: 286)

7- آپ ﷺ کی عمرو بن حزم گورنر یمن کے نام تحریری ہدایات جس میں صدقات، دیات، فرائض اور سنتیں ذکر کی گئی ہیں۔ (جامع بیان العلم و فضلہ: 71/1)
8- رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے قبل بیماری میں فرمایا: ''کوئی لکھنے والی چیز لے آؤ تا کہ میں تمہیں لکھ کر دے دوں اور تم گمراہ ہونے سے بچ جاؤ۔'' (صحیح بخاری، باب کتابة العلم، حدیث 114)
9- مہاجرین اور انصار، مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان لکھے ہوئے معاہدے۔

مندرجہ بالا احادیث اور امثال سے واضح ہوتا ہے کہ عہدی نبوی میں کتابت کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف مواقع پر چیزیں لکھی گئیں اور صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ نے اس کی ہدایت کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ عہد صحابہ میں مدون شدہ ایک اہم ذخیرہ حدیث ملتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں تدوین حدیث:

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حضرت انس بن مالکؓ کے نام کتاب جس میں فرائض صدقہ ذکر کئے گئے جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کئے تھے۔ (مسند احمد: 11/1)
2- حضرت عمر بن خطاب کا عتبہ بن فرقد کے نام خط جس میں بعض سنن درج تھیں۔ (مسند احمد: 16/1)
3- صحیفہ علی، جس میں دیت، قیدی اور مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنے کے بارے میں درج تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم، حدیث 111)
4- صحیفہ سعد بن عبادۃ انصاریؓ (سنن الترمذی، الاحکام، باب ما جاء فی الیمین مع الشاھد، حدیث 1343، 627/2)
5- صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفی (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث 2818)
6- نسخہ سمرۃ بن جندب (تہذیب التہذیب: 236/4)
7- حضرت ابورافعؓ، مولی النبی ﷺ کی کتاب، جس میں استفتاح نماز کے بارے میں احادیث مذکور ہیں۔ (خطیب بغدادیؒ، الکفایة: 330)
8- حضرت ابوہریرہؓ کی کتابیں (جامع بیان العلم و فضلہ: 73/1)
9- صحیفہ ابوموسیٰ اشعریؓ (صبحی السامرائی نے اپنی کتاب کے مقدمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔)
10- صحیفہ جابر بن عبداللہؓ (طبقات کبری: 467/5، ذہبی، تذکرۃ الحفاظ: 43/1)
11- صحیفہ صادقہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ امام احمد نے اپنی مسند میں یہ صحیفہ مکمل نقل کیا ہے۔ (جامع بیان العلم و فضلہ: 73/1، مسند احمد: 158/2-226، سنن دارمی،

مقدمہ' حدیث 502)

12- صحیفہ ابوسلمہ نبیط بن شریط الاشجعی الکوفی (تاریخ التراث العربی' 55)

13- صحیفہ صحیحہ ہمام بن منبہ' جس میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی 138 احادیث بیان کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر حمیداللہ کی تحقیق سے شائع ہو چکا ہے۔

تابعین کے دور میں تدوین حدیث:

تابعین کے دور میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام ملتے ہیں جنہوں نے حدیث لکھی' ان کے اجزاء مشہور ہیں اور روایت کئے گئے:

1- ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس الاسدی (ف 126ھ)' حضرت جابرؓ کی احادیث روایت کرتے ہیں۔

2- ابوعدی الزبیر بن عدی الحمدانی الکوفی (ف 131ھ)

3- ابوالعشراء الدارمی' اسامۃ بن مالک

4- زید بن ابی انیسہ ابو اسامہ الرہاوی (ف 125ھ)

5- ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی (ف 131ھ)

6- یونس بن عبید بن دینار العبدی (ف 139ھ)

7- ابوبردہ برید بن عبداللہ بن ابی بردۃ

8- حمید بن ابی حمید الطویل (ف 142ھ)

9- ہشام بن عروۃ بن الزبیر (ف 146ھ)

10- ابوعثمان عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب (ف 147ھ)

(دیکھئے: تاریخ التراث العربی: 261/1)

تدوین حدیث کا اس وقت باقاعدہ آغاز ہوا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے عامل (گورنر) ابوبکر بن عمرو بن حزم کو ہدایت بھیجی تھی کہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم (یعنی ذخیرہ حدیث) ہے' اسے قلمبند کریں۔ اسی طرح انہوں نے دیگر علمائے کرام کو لکھا کہ جو احادیث آپ کے پاس ہوں' انہیں جمع کر لیں لیکن ابن حزم کا یہ جمع کردہ ذخیرہ حضرت عمر تک نہ پہنچ سکا اور ان کی وفات ہو گئی۔

اس محنت میں اصل حصہ امام ابن شہاب زہری (ف 124ھ) کا ہے جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دعوت قبول کرتے ہوئے احادیث جمع کرنا شروع کیں اور ایک بڑی تعداد جمع کر کے حضرت عمر کو پیش کر دی اور انہوں نے تمام علاقوں میں اس کے نسخے بھجوا دیئے۔ اسی طرح امام زہری نے دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کی بنیاد رکھی اور آئندہ آنے والوں

کے لئے ایک مضبوط اساس فراہم کر دی۔

دوسری صدی ہجری میں مندرجہ ذیل بزرگوں نے تدوین حدیث کی خدمت انجام دیں:

1- مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (ف 150ھ)
2- مدینہ میں محمد بن اسحٰق (ف 151ھ)
3- یمن میں معمر بن راشد (ف 153ھ)
4- بصرہ میں سعید بن ابی عروبۃ (ف 156ھ)
5- شام میں ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی (ف 156ھ)
6- مدینہ میں عبدالرحمٰن بن ابی ذئب (ف 158ھ)
7- بصرہ میں الربیع بن صبیح (ف 160ھ)
8- بصرہ میں شعبہ بن الحجاج (ف 160ھ)
9- کوفہ میں ابوعبداللہ سفیان الثوری (ف 161ھ)
10- مصر میں لیث بن سعد (ف 175ھ)
11- بصرہ میں حماد بن سلمہ بن دینار (ف 176ھ)
12- مدینہ میں امام مالک بن انس (ف 179ھ) نے مؤطا تصنیف کی۔
13- خراسان میں عبداللہ بن المبارک (ف 181ھ)
14- واسط میں ہشیم بن بشر (ف 188ھ)۔
15- رے میں جریر بن عبدالحمید الضبی (ف 188ھ)
16- عبداللہ بن وہب (ف 197ھ) نے جامع تیار کی۔
17- مکہ میں سفیان بن عیینہ (ف 198ھ)
18- وکیع بن الجراح الرؤاسی (ف 197ھ)
19- عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (ف 211ھ) نے "المصنف" لکھی۔
20- سنن کے مصنف سعید بن منصور (ف 227ھ)
21- ابن ابی شیبہ (235ھ) جنہوں نے "المصنف" تحریر کی۔

ان تمام محدثین کرام کی تالیف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک طرح کی احادیث جمع کر کے انہیں مختلف ابواب میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ان احادیث میں احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور فتاوی تابعین سب شامل ہوتے تھے۔ ان کتابوں کے مختلف نام ملتے ہیں مثلاً مصنف، سنن، جامع اور مؤطا۔

تیسری صدی میں بھی تدوین حدیث کا کام جاری رہا۔ اس عرصے کی تصنیفات میں دو نمایاں صفات نظر آتی ہیں:

1- صرف مرفوع احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی' اقوال صحابہ و تابعین حذف کر دیئے گئے۔
2- تصنیف میں مسانید کا طریقہ اپنایا گیا یعنی صحابہ کے اسمائے گرامی کی ترتیب پر احادیث مرتب کی گئیں۔

اس زمانے کی اوّلیں مسانید کے مرتب حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

•عبدالملک بن عبدالرحمٰن الذماری (ف 200ھ)' •ابوداوٗد الطیالسی (ف 204ھ)' •محمد بن یوسف الفریابی (ف 212)' •اسد بن موسیٰ الاموی (ف 212ھ)' •عبیداللہ بن موسیٰ العبی (ف 213ھ)' •عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (ف 219ھ)' •احمد بن منیع البغوی (ف 224ھ)' •نعیم بن حماد الخزاعی (ف 228ھ)' •مسدد بن مسرہد البصری (ف 228ھ)' •ابوالحسن بن الجعد الجوہری (ف 230ھ)' •عبداللہ بن محمد الجعفی المسندی (ف 229ھ)' •یحییٰ بن معین (ف 233ھ)' •ابوخیثمہ زہیر بن حرب (ف 234ھ)' •ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان ابن ابی شیبہ (ف 235ھ)' •اسحٰق بن راہویہ (ف 238ھ)' •احمد بن حنبل (ف 240ھ)' •خلیفہ بن خیاط (ف 240ھ)' •الحسین ابراہیم بن نصر السعدی (ف 242ھ)' •ابومحمد الحسن بن علی الحلوانی (ف 242ھ)' •عبد بن حمید (ف 249ھ)' •اسحٰق بن منصور (ف 251ھ)' •محمد بن ہشام السدوسی (ف 251ھ)' •عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (ف 255ھ)' •احمد بن سنان القطان الواسطی (ف 256ھ)' •محمد بن مہدی (ف 272ھ)' •بقی بن مخلد (ف 276ھ) اصل کتاب مفقود ہے' اس کا صرف مقدمہ طبع ہو چکا ہے' •الحارث بن محمد بن ابی اسامۃ داہر التمیمی (ف 282ھ)' •ابوبکر احمد بن عمرو البزار (ف 292ھ)' •ابراہیم بن معقل النسفی (ف 295ھ)

چوتھی صدی میں ترتیب مسانید کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عہد میں ان محدثین نے مسانید مرتب کیں:

•الحسن بن سفیان بن عامر النسوی (ف 303ھ)' •احمد بن علی بن المثنی التمیمی الموصلی (ف 307ھ)' •ابوبکر محمد بن ہارون الرؤیانی (ف 307ھ)' •ابوحفص عمر بن محمد بن بجیر الہمدانی السمرقندی (ف 311ھ) ان کی کتاب الجامع المسند کے نام سے معروف ہے' •ابوالعباس اسحٰق بن سراج (ف 313ھ)' •ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (ف 327ھ)' •ابوسعید الہیثم بن کلیب بن شریح الشاشی (ف 335ھ) ان کی مسند طبع ہو چکی ہے' •ابونعیم الاصبہانی (ف 430ھ)

ان تمام محدثین کی مسانید میں سوائے ''مسند احمد بن حنبل'' کے اکثر مفقود یا مخطوط ہیں۔ ان مسانید کی احادیث عموماً صحیح ہیں' تاہم ان کے ساتھ حسن اور ضعیف بھی شامل ہیں۔ اس وجہ سے ان کتب پر کلیتہً اعتماد مشکل تھا۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ محسوس کیا گیا کہ صرف

صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کیا جانا چاہیے چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے حدیث کا وہ پہلا مجموعہ تیار کیا جس میں صرف صحیح احادیث نبویہ کو فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے' ان کے شاگرد امام مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی کتاب مرتب کی اور اس میں صرف صحیح احادیث جمع کیں۔

ان دونوں محدثین کرام کے بعد ان کے ہم عصر دوسرے محدثین نے بھی فقہی ترتیب پر کتب تصنیف کیں' مثلاً امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث البجستانی' امام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ السلمی الترمذی' امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی' امام محمد بن یزید بن ماجہ

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک احادیث مکمل طور پر مدون ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد صرف ضمنی کام ہوتے رہے جن میں استدراک' استخراج اور تلخیص کا کام شامل ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: •فواد سزگین: تاریخ التراث العربی •اکرم ضیاء العمری: بحوث فی تاریخ السنة المشرفة' •محمد ابوزہرہ: الحدیث والمحدثون' •مناظر احسن گیلانی: تدوین حدیث' •محمد حمید اللہ: مقدمہ صحیفہ ھمام بن منبہ' •خالد علوی: حفاظت حدیث)

طبقہ — طبقات

لغوی طور پر طبقہ سے مراد کسی ایک وصف میں مشترک افراد ہیں' اصطلاحی معنی میں وہ افراد جو عمر اور استاد سے حدیث سننے میں ہم عصر ہوں۔

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ ایک قسم کے افراد کے تشابہ سے بچاؤ ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ وہ نام' کنیت اور نسبت میں مشترک ہوں۔

مشہور کتب طبقات یہ ہیں:

- طبقات کبریٰ ابن سعد (ف 230ھ)
- طبقات خلیفہ بن خیاط (ف 240ھ)
- طبقات مسلم بن الحجاج (ف 261ھ)

طبقات الرواۃ:

حدیث کے راویان کرام کو دو طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1- صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین...... صحابہ کو بھی مزید طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مشہور تقسیم امام حاکم کی ہے' انہوں نے صحابہ کے بارہ طبقات قائم کئے ہیں۔

دیکھئے: طبقات الصحابہ

2- صحابہ کرامؓ کے علاوہ دیگر راویان کرام...... ان تمام راویوں کو حافظ ابن حجر نے بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ دیکھئے: الطبقات عندالمحدثین

طبقات الصحابہ:

طبقات صحابہ کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض انہیں پانچ طبقات میں تقسیم کرتے ہیں جیسے ابن سعد نے کیا ہے اور بعض مثلاً امام حاکم انہیں بارہ طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ امام حاکم کے مطابق صحابہ کے طبقات مندرجہ ذیل ہیں:

1- مکہ میں ابتداء میں اسلام لانے والے مثلاً خلفائے راشدین
2- دارالندوہ میں مشرکین کے اجتماع سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ
3- حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ
4- بیعۃ العقبۃ الاولیٰ میں شریک صحابہ
5- بیعۃ العقبۃ الثانیہ میں شریک صحابہ...... ان میں اکثریت انصار کی ہے۔
6- صحابہ میں اوّلین مہاجرین مدینہ جو رسول اللہ ﷺ کے پاس قباء پہنچ گئے تھے۔
7- اہل بدر
8- غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیان ہجرت کرنے والے صحابہ
9- صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شامل صحابہ
10- صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کرنے والے صحابہ مثلاً خالد بن ولید اور عمرو بن العاصؓ
11- فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے صحابہ
12- فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کو دیکھنے والے بچے اور کمسن صحابہ

(الباعث الحثیث: 504/2)

محدثین کرام کے طبقات:

راویان حدیث کو اہل علم نے مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ مشہور ترین تقسیم وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں کی ہے۔ انہوں نے بارہ طبقات میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے جن کی روایات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں:

1- صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
2- کبار تابعین مثلاً سعید بن مسیبؒ
3- تابعین کا درمیانی طبقہ جس میں حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ شامل ہیں۔

4- درمیانی طبقے کے بعد والے تابعین جو کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں مثلاً زہری اور قتادہؒ وغیرہ۔

5- صغار تابعین جنہوں نے صحابہ میں سے صرف ایک یا دو کو دیکھا ہے اور ان کی سماعت ان سے ثابت نہیں ہے مثلاً اعمش وغیرہ۔

6- پانچویں طبقے کے ہم عمر لیکن کسی صحابی سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے مثلاً ابن جریج

7- کبار اتباع تابعین مثلاً امام مالک اور امام ثوری وغیرہ۔

8- اتباع تابعین کا درمیانی طبقہ مثلاً ابن عینیہ اور ابن علیہ وغیرہ۔

9- صغار اتباع تابعین مثلاً یزید بن ہارون اور امام شافعیؒ وغیرہ۔

10- اتباع تابعین سے روایت کرنے والے کبار راویان کرام مثلاً امام احمد

11- ان راویوں کا درمیانہ طبقہ مثلاً امام ذھلی اور امام بخاری وغیرہ۔

12- ان راویوں کا نچلا طبقہ مثلاً امام ترمذی وغیرہ۔

اسی آخر الذکر طبقے میں صحاح ستہ کے مؤلفین کے اساتذہ بھی شامل ہیں جن کی وفات متاخر ہے مثلاً امام نسائی کے شیوخ وغیرہ۔

ان راویوں کی تاریخ وفات کے بارے میں حافظ ابن حجر نے مندرجہ ذیل قاعدہ مرتب کیا ہے:

پہلا اور دوسرا طبقہ...... پہلے سو سال کے اندر

تیسرے سے لے کر آٹھویں طبقے تک ...... پہلے سو سال کے بعد اور دو سو سال سے پہلے

نویں سے لے کر بارہویں طبقے تک...... دو سو سال کے بعد

(مقدمہ تقریب التہذیب' 75)

ناقد محدثین کے طبقات:

علم جرح و تعدیل کے لحاظ سے اہل علم نے ناقد محدثین کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں بعض بہت سخت اور بعض معتدل ہیں۔

پہلا طبقہ:

اس میں شعبہ بن الحجاج (ف 160ھ) ہیں جو سخت نقادوں میں سے گنے جاتے ہیں' سفیان الثوری (ف 161ھ) کا شمار بھی اسی طبقے میں کیا جاتا ہے۔

دوسرا طبقہ:

اس میں یہ نقاد شامل ہیں:

•یحیٰی بن سعید القطان (ف 198ھ) جن کا شمار متشددین میں ہوتا ہے، •عبدالرحمٰن بن مہدی (ف 198ھ) جن کا شمار معتدلین میں ہوتا ہے۔

تیسرا طبقہ:

اس میں یہ نقاد شامل ہیں:

•یحیٰی بن معین (233ھ) متشددین میں گنے جاتے ہیں، •احمد بن حنبل (241ھ) معتدل ناقدین میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

چوتھا طبقہ:

اس میں یہ نقاد مذکور ہیں:

•ابو حاتم الرازی (محمد بن ادریس، ف 277ھ) متشددین میں شمار ہے، •امام محمد بن اسماعیل البخاری (ف 256ھ) ان کا شمار معتدل نقادوں میں ہوتا ہے۔



کتب ستہ کے راویوں کے حالات زندگی

محدثین کرام نے صحاح ستہ کے راویوں کو خصوصی اہمیت دی ہے' اس لئے بہت سے مصنفین نے ان راویوں کے حالات زندگی مستقل کتابوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ زمانے کے تسلسل کے لحاظ سے ان کی تفصیل یہ ہے:

-1 حافظ ابوالقاسم ابن عساکر (ف 571ھ)' **المعجم المشتمل علی ذکر اسماء شیوخ الأئمة النبل**...... اس کتاب میں ائمہ ستہ کے شیوخ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

-2 حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (ف 600ھ)' **الکمال فی اسماء الرجال**...... اس کتاب میں مصنف نے صحابہ اور تابعین سے لے کر ائمہ ستہ کے شیوخ تک سب کا تذکرہ کیا ہے۔

-3 حافظ جمال الدین المزی (ف 742ھ)' **تہذیب الکمال فی اسماء الرجال**...... یہ کتاب **الکمال** کا صرف خلاصہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل' ترتیب اور اضافے پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے صحاح ستہ کے راویوں کے ساتھ ان ائمہ کی دیگر کتب کے راویوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔

-4 حافظ ذہبی (748ھ)' **تذهیب تهذیب الکمال**

-5 حافظ ذہبی' **الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب الستة**

-6 حافظ ذہبی' **المجرد من تهذیب الکمال**...... اس کتاب میں کتب ستہ کے رجال کو دس طبقات میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے۔

-7 حافظ ذہبی' **المقتضب من تهذیب الکمال**

-8 حافظ اندرشی (ف 750)' **اختصار تهذیب الکمال**

-9 حافظ علاء الدین مغلطائی (ف 762ھ)' **اکمال تهذیب الکمال فی اسماء الرجال**

-10 حافظ علاء الدین مغلطائی' **اوهام تهذیب الکمال**

-11 حافظ شمس الدین الحسینی (ف 775ھ)' **التذکرة فی رجال العشرة**...... اس کتاب میں مؤلف نے **تهذیب الکمال** کے اختصار کے ساتھ ساتھ ان راویوں کا تذکرہ حذف کر دیا ہے جو کتب ستہ میں سے نہیں ہیں اور چار کتابوں کے رجال کا اضافہ کر دیا ہے جو یہ ہیں:

مؤطا مالک' مسند احمد' مسند الشافعی اور مسند ابی حنیفہ للحارثی

دوسرا طبقہ:

اس میں یہ نقاد شامل ہیں:

•یحییٰ بن سعید القطان (ف 198ھ) جن کا شمار متشددین میں ہوتا ہے' •عبدالرحمٰن بن مہدی (ف 198ھ) جن کا شمار معتدلین میں ہوتا ہے۔

تیسرا طبقہ:

اس میں یہ نقاد شامل ہیں:

•یحییٰ بن معین (233ھ) متشددین میں گنے جاتے ہیں' •احمد بن حنبل (241ھ) معتدل ناقدین میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

چوتھا طبقہ:

اس میں یہ نقاد مذکور ہیں:

•ابو حاتم الرازی (محمد بن ادریس' ف 277ھ) متشددین میں شمار ہے' •امام محمد بن اسماعیل البخاری (ف 256ھ) ان کا شمار معتدل نقادوں میں ہوتا ہے۔



کتب ستہ کے راویوں کے حالات زندگی

محدثین کرام نے صحاح ستہ کے راویوں کو خصوصی اہمیت دی ہے' اس لئے بہت سے مصنفین نے ان راویوں کے حالات زندگی مستقل کتابوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ زمانے کے تسلسل کے لحاظ سے ان کی تفصیل یہ ہے:

1- حافظ ابوالقاسم ابن عساکر (ف 571ھ)' **المعجم المشتمل علی ذکر اسماء شیوخ الأئمة النبل**...... اس کتاب میں ائمہ ستہ کے شیوخ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
2- حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (ف 600ھ)' **الکمال فی اسماء الرجال**...... اس کتاب میں مصنف نے صحابہ اور تابعین سے لے کر ائمہ ستہ کے شیوخ تک سب کا تذکرہ کیا ہے۔
3- حافظ جمال الدین المزی (ف 742ھ)' **تهذیب الکمال فی اسماء الرجال**...... یہ کتاب **الکمال** کا صرف خلاصہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل' ترتیب اور اضافے پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے صحاح ستہ کے راویوں کے ساتھ ان ائمہ کی دیگر کتب کے راویوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔
4- حافظ ذہبی (748ھ)' **تذهیب تهذیب الکمال**
5- حافظ ذہبی' **الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب الستة**
6- حافظ ذہبی' **المجرد من تهذیب الکمال**...... اس کتاب میں کتب ستہ کے رجال کو دس طبقات میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے۔
7- حافظ ذہبی' **المقتضب من تهذیب الکمال**
8- حافظ اندرشی (ف 750)' **اختصار تهذیب الکمال**
9- حافظ علاء الدین مغلطائی (ف 762ھ)' **اکمال تهذیب الکمال فی اسماء الرجال**
10- حافظ علاء الدین مغلطائی' **اوهام تهذیب الکمال**
11- حافظ شمس الدین الحسینی (ف 775ھ)' **التذکرة فی رجال العشرة**...... اس کتاب میں مؤلف نے **تهذیب الکمال** کے اختصار کے ساتھ ساتھ ان راویوں کا تذکرہ حذف کر دیا ہے جو کتب ستہ میں سے نہیں ہیں اور چار کتابوں کے رجال کا اضافہ کر دیا ہے جو یہ ہیں:
مؤطا مالک' مسند احمد' مسند الشافعی اور مسند ابی حنیفہ للحارثی

12- حافظ ابن کثیر (ف 774)' التکمیل فی الجرح والتعدیل و معرفة الثقات والضعفاء والمجاهیل...... اس کتاب میں مزی کی تهذیب الکمال اور ذہبی کی میزان الاعتدال کو جمع کیا گیا ہے۔

13- ابن بردس بعلبکی (ف 786ھ)' بغیة الاریب فی اختصار التهذیب

14- ابن الملقن (ف 804ھ)' اکمال تهذیب الکمال فی اسماء الرجال...... اس کتاب کے مؤلف نے تہذیب الکمال کے اختصار کے ساتھ چھ کتابوں کے رجال کا تذکرہ کیا ہے۔

حدیث قدسی:

رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان جس کی نسبت آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے اسی قدسی کہا گیا۔

قرآن کریم' حدیث قدسی اور دیگر احادیث میں فرق:

1- قرآن کریم کے الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور حدیث قدسی میں معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں۔

2- قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے جبکہ حدیث قدسی کا پڑھنا عبادت شمار نہیں ہوتا بلکہ ایک نیک عمل شمار ہوتا ہے۔

3- قرآن کریم کے ثبوت کے لئے تواتر شرط ہے' حدیث قدسی کے لئے تواتر شرط نہیں ہے۔

4- دیگر احادیث کے معانی بھی وحی کے ذریعے سے آپ تک پہنچتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔

حدیث قدسی روایت کرنے کے صیغے درج ذیل ہیں:

1- **قال رسول اللہ ﷺ فیما یرویه عن ربه عزوجل**

2- **قال اللہ تعالیٰ فیما رواہ عنه رسول اللہ ﷺ**

ان میں پہلا صیغہ زیادہ مستعمل ہے۔

مثال:

حدیث ابی هریرہ: قال: قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ تبارک و تعالیٰ: انا اغنی الشرکاء عن الشرک' من عمل عملا اشرک فیه معی غیری ترکته و شرکه.

تصنیفات:

- ابوالقاسم علی بن بلبان المقدسی (ف 684ھ)' المقاصد السنية في الاحاديث الالهية...... اس میں 100 احادیث جمع کی گئی ہیں' تحقیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔
- علامہ عبدالرؤف المناوی (ف 1031ھ)' الاتحافات السنية فی الاحاديث القدسية...... اس کتاب میں 272 صحیح اور ضعیف احادیث جمع کی گئی ہیں۔
- علماء کی مشترکہ کاوش الاحاديث القدسيه...... صحاح ستہ اور مؤطا مالک سے جمع شدہ 399 احادیث کا مجموعہ ہے۔
- شیخ عصام الدین الصبابطی' صحيح الاحاديث القدسيه...... اس کتاب میں 544 احادیث جمع کی گئی ہیں۔

جوامع الکلم:

مختصر الفاظ میں جامع اور مانع کلام کو ''جوامع الکلم'' کا نام دیا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کلام کی خصوصیت ہے۔ آپ ﷺ کے کلام میں وہ ایجاز پایا جاتا ہے جس کے ذریعے بے شمار معانی کو نہایت مختصر الفاظ میں پوری خوبصورتی سے سمو دیا گیا ہے۔ چند جوامع الکلم یہ ہیں:

- قل آمنت بالله ثم استقم
- نعمتان مغبون فيها كثير من الناس: الصحة والفراغ
- اذا لم تستح فاصنع ما شئت
- ان من البيان لسحرا
- حفت النار بالشهوات و حفت الجنة بالمكاره (الحديث النبوی' 105)

عشرہ مبشرہ:

وہ دس صحابہ کرام جنہیں رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

- حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
- حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
- حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
- حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لئے دیکھئے: الاستیعاب، الاصابہ، اسد الغابہ)

عصر الروایۃ (زمانۂ روایت):

زمانۂ روایت کو اہل علم نے ان پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

1- عہد صحابہ کرام
2- عہد تابعین کرام
3- عہد اتباع تابعین
4- عہد اتباع اتباع تابعین
5- عہد اتباع اتباع اتباع تابعین

یہ پانچوں عہد تیسری صدی ہجری کے خاتمے تک مکمل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس زمانے تک تمام احادیث لکھی جا چکی تھیں اور ان کی تدوین مکمل ہو گئی تھی، تاہم یہ طریقۂ روایت پانچویں صدی کے آخر تک جاری رہا۔ امام بیہقی، خطیب بغدادی، ابونعیم اور ابن عبدالبر کے ہاں ایسی روایات ملتی ہیں جو ان سے پہلے کی کتب تدوین میں موجود نہیں۔

العبادلۃ:

عبادلہ لفظ "**عبدل**" کی جمع ہے اور عرب "**عبد**" کو "**عبدل**" بھی کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں عبادلہ سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جن کا نام عبداللہ ہے۔ وہ تمام حضرات تقریباً تین سو ہیں لیکن اصل مراد وہ چار حضرات ہیں جن کی روایات، آثار اور فتاویٰ کثرت سے مشہور ہوئے یعنی:

- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
- عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ
- عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان میں شمار نہیں کیا جاتا جیسا کہ امام احمد کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کی وفات متقدم ہے اور بقیہ چار حضرات ان کے بعد کافی عرصہ

زندہ رہے اور ان کے علم سے فائدہ ہوا۔

تعداد احادیث:

اکثر محدثین کرام کے بارے میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ انہیں ہزاروں یا لاکھوں احادیث زبانی یاد تھیں۔ اس سے مندرجہ ذیل امور مراد ہوتے ہیں:

1- مکرر اسانید کی تعداد...... اگر ایک حدیث بیس سندوں سے مروی ہے تو وہ بیس حدیثیں شمار ہوں گی۔

2- روایات کا اختلاف...... اختلاف کی صورت میں ہر روایت ایک حدیث شمار ہو گی۔

3- حدیث میں کسی لفظ کی تبدیلی...... حدیث میں کوئی لفظ کم یا زیادہ ہو جائے تو اس صورت میں وہ ایک نئی حدیث سمجھی جائے گی۔

4- موقوف، مرسل اور منقطع احادیث بھی شمار کی جاتی ہیں۔

5- صحابہ کرام کے فتاویٰ

6- تابعین کرام کے فتاویٰ

احادیث کے شمار میں یہ تمام امور ملحوظ رکھے جاتے ہیں اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ امام احمد الف الف یعنی دس لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے۔ اسی طرح امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد تھیں۔ تمام احادیث جمع ہو کر بھی اس عدد تک نہیں پہنچتیں تو اس سے مراد وہ روایات اور اسانید ہیں جن کی وجہ سے یہ تعداد بڑھ جاتی ہے۔ (معجم، 269)

کتب احادیث کے چار طبقات

پہلا طبقہ:

یہ طبقہ صحیح بخاری و مسلم و مؤطا امام مالک میں محدود ہے۔ ان میں متواتر، صحیح اور حسن ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے طریق اکتساب اور روایت حدیث نظم و ضبط کی اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرا طبقہ:

اس طبقہ میں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل اور نسائی شامل ہیں۔ ان میں درج احادیث اگرچہ طبقہ اوّل کے درجہ کی نہیں تاہم ان کے مؤلفین نے حسب شرائط خود ان میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔

متاخرین نے ان کو قبول عام کی سند دے دی اور بعض ضعف و خفاء کے باوجود ان سے

کثیر علوم و احکام اخذ کئے' محدثین طبقہ اوّل و دوم کی کتب حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے اور ان سے عقائد و شریعت کے اصول استنباط کرتے۔

تیسرا طبقہ:

اس طبقہ میں وہ کتب حدیث شامل ہیں جس میں ضعیف حدیث کی تمام قسمیں مثلاً شاذ' منکر اور مضطرب حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اکثر راوی مستور الحال ہوتے ہیں۔ ان کتب میں مسند ابن ابی شیبہ' مسند طیالسی' بیہقی اور طحاوی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتب سے عوام مستفید نہیں ہو سکتے بلکہ صرف جید علماء ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔

چوتھا طبقہ:

اس طبقہ میں وہ ناقابل اعتماد کتب شامل ہیں جو کہ پچھلے ادوار میں فسانہ گو واعظوں' صوفیوں' مؤرخوں اور غیر عادل اصحاب بدعت لوگوں سے حدیثیں سن کر تصنیف کی گئی ہیں مثلاً ابن مردویہ' ابن الشاہین اور ابوالشیخ کی تصانیف وغیرہ شامل ہیں۔ ماہرین علم حدیث اس طبقہ کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں کیونکہ ان کتب کے قابل اعتماد مصادر و ماخذ نہیں ہوتے۔

کتب احادیث کی دس مشہور قسمیں اور ان کی تعریفات

احادیث نبوی ﷺ کو اگر اصول کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو اس کی مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں مثلاً حدیث قولی' فعلی اور تقریری وغیرہ اور اگر احادیث کو بلحاظ سند تجزیہ کیا جائے اس کی بھی مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں مثلاً حدیث مرفوع' موقوف اور مقطوع وغیرہ۔ اس طرح اصطلاح محدثین میں کتب احادیث کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔

1- جامع:

وہ کتب حدیث جن میں دین کے تمام ابواب یعنی اعمال کے ساتھ تفسیر و عقائد وغیرہ سب کے متعلق روایات کو یکجا کیا گیا ہو مثلاً امام بخاری کی الجامع الصحیح اور امام مسلم کی الجامع المسلم اور امام ترمذی کی الجامع الترمذی وغیرہ۔

2- مسند:

اس سے عموماً وہ کتب حدیث مراد ہوتی ہیں جن میں ہر ہر صحابی کی منقول روایات جمع کی گئی ہیں خواہ صحابی کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہو یا ان کے باہمی فضائل کے لحاظ سے مثلاً مسند امام احمد بن حنبل' مسند حمیدی اور مسند طیالسی وغیرہ۔

3- سنن:

اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے۔ ان میں عقائد، مناقب اور غزوات وتفسیر وغیرہ کے متعلق روایات نہیں ہوتیں اور ان میں عموماً مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں مثلاً سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن دارمی وغیرہ۔

4- معجم:

یعنی وہ کتب حدیث جن میں حروف تہجی کی حساب سے روایات کو جمع کیا گیا ہو۔ ان راویوں میں صحابہ کا لحاظ ہو یا اپنے اساتذہ کا یا کسی مخصوص خطہ کے محدثین وشیوخ کا مثلاً **المعجم الکبیر** جس میں صحابہ کے اسماء کی رعایت کی گئی ہے اور **المعجم الاوسط** اور **المعجم الصغیر** میں شیوخ کی رعایت کی گئی ہے۔

5- اجزاء:

ان کتب حدیث میں مخصوص راوی کی روایت یا کسی ایک موضوع سے متعلق تمام روایات کو جمع کر دیا گیا ہو جیسے جزء "**مارواہ ابوحنیفہ عن الصحابہ**" بخاری کی جز "**رفع الیدین فی الصلوٰۃ**" اور جزء "**قراءۃ خلف الامام**" وغیرہ۔

6- اطراف:

اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کا ایک حصہ ذکر کر کے تمام متون حدیث یا بعض میں اس حدیث کی تمام اسناد کو جمع کیا گیا ہو جیسے "**اطراف الصحیحین**" **الاشراف علی معرفتہ الاطراف**' اور "**تحفۃ الاشراف بمعرفتہ الاطراف**" وغیرہ۔

7- مستدرک:

ایسی کتب حدیث جس میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی متعین کردہ شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث کو جمع کیا گیا ہو جیسے ابو عبداللہ حاکم کی کتاب "**المستدرک علی الصحیحین**"۔

8- مستخرج:

وہ کتب جن میں کسی کتاب میں ذکر کردہ احادیث صاحب کتاب کو واسطہ بنائے بغیر دوسری اسناد کے ساتھ جمع کیا گیا ہو جیسے بخاری سے متعلق "**مستخرج اسماعیلی**"، مسلم کے متعلق "**مستخرج اسفرائینی**" اور صحیحین کے متعلق "**مستخرج ابی نعیم اصبہانی**"

کثیر علوم و احکام اخذ کئے' محدثین طبقہ اوّل و دوم کی کتب حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے اور ان سے عقائد و شریعت کے اصول استنباط کرتے۔

تیسرا طبقہ:

اس طبقہ میں وہ کتب حدیث شامل ہیں جس میں ضعیف حدیث کی تمام قسمیں مثلاً شاذ' منکر اور مضطرب حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اکثر راوی مستور الحال ہوتے ہیں۔ ان کتب میں مسند ابن ابی شیبہ' مسند طیالسی' بیہقی اور طحاوی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتب سے عوام مستفید نہیں ہو سکتے بلکہ صرف جید علماء ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔

چوتھا طبقہ:

اس طبقہ میں وہ ناقابل اعتماد کتب شامل ہیں جو کہ پچھلے ادوار میں فسانہ گو واعظوں' صوفیوں' مؤرخوں اور غیر عادل اصحاب بدعت لوگوں سے حدیثیں سن کر تصنیف کی گئی ہیں مثلاً ابن مردویہ' ابن الشاہین اور ابوالشیخ کی تصانیف وغیرہ شامل ہیں۔ ماہرین علم حدیث اس طبقہ کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں کیونکہ ان کتب کے قابل اعتماد مصادر و ماخذ نہیں ہوتے۔

کتب احادیث کی دس مشہور قسمیں اور ان کی تعریفات

احادیث نبوی ﷺ کو اگر اصول کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو اس کی مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں مثلاً حدیث قولی' فعلی اور تقریری وغیرہ اور اگر احادیث کو بلحاظ سند تجزیہ کیا جائے اس کی بھی مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں مثلاً حدیث مرفوع' موقوف اور مقطوع وغیرہ۔ اس طرح اصطلاح محدثین میں کتب احادیث کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔

1- جامع:

وہ کتب حدیث جن میں دین کے تمام ابواب یعنی اعمال کے ساتھ تفسیر و عقائد وغیرہ سب کے متعلق روایات کو یکجا کیا گیا ہو مثلاً امام بخاری کی **الجامع الصحیح** اور امام مسلم کی **الجامع المسلم** اور امام ترمذی کی **الجامع الترمذی** وغیرہ۔

2- مسند:

اس سے عموماً وہ کتب حدیث مراد ہوتی ہیں جن میں ہر ہر صحابی کی منقول روایات جمع کی گئی ہیں خواہ صحابی کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہو یا ان کے باہمی فضائل کے لحاظ سے مثلاً مسند امام احمد بن حنبل' مسند حمیدی اور مسند طیالسی وغیرہ۔

3- سنن:

اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے۔ ان میں عقائد، مناقب اور غزوات وتفسیر وغیرہ کے متعلق روایات نہیں ہوتیں اور ان میں عموماً مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں مثلاً سنن ابی داوٗد، سنن نسائی اور سنن دارمی وغیرہ۔

4- معجم:

یعنی وہ کتب حدیث جن میں حروف تہجی کی حساب سے روایات کو جمع کیا گیا ہو۔ ان راویوں میں صحابہ کا لحاظ ہو یا اپنے اساتذہ کا یا کسی مخصوص خطہ کے محدثین وشیوخ کا مثلاً **المعجم الکبیر** جس میں صحابہ کے اسماء کی رعایت کی گئی ہے اور **المعجم الاوسط** اور **المعجم الصغیر** میں شیوخ کی رعایت کی گئی ہے۔

5- اجزاء:

ان کتب حدیث میں مخصوص راوی کی روایت یا کسی ایک موضوع سے متعلق تمام روایات کو جمع کر دیا گیا ہو جیسے جزء "**مارواہ ابوحنیفہ عن الصحابہ**" بخاری کی جز "**رفع الیدین فی الصلوٰۃ**" اور جزء "**قراءۃ خلف الامام**" وغیرہ۔

6- اطراف:

اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کا ایک حصہ ذکر کرکے تمام متون حدیث یا بعض میں اس حدیث کی تمام اسناد کو جمع کیا گیا ہو جیسے "**اطراف الصحیحین**"، **الاشراف علی معرفتہ الاطراف**' اور "**تحفۃ الاشراف بمعرفتہ الاطراف**" وغیرہ۔

7- مستدرک:

ایسی کتب حدیث جس میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی متعین کردہ شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث کو جمع کیا گیا ہو جیسے ابوعبداللہ حاکم کی کتاب "**المستدرک علی الصحیحین**"۔

8- مستخرج:

وہ کتب جن میں کسی کتاب میں ذکر کردہ احادیث صاحب کتاب کو واسطہ بنائے بغیر دوسری اسناد کے ساتھ جمع کیا گیا ہو جیسے بخاری سے متعلق "**مستخرج اسماعیلی**" مسلم کے متعلق "**مستخرج اسفرائینی**" اور صحیحین کے متعلق "**مستخرج ابی نعیم اصبہانی**" وغیرہ۔

9- مصنفات:

وہ کتب حدیث جو ابواب فقہ کے مطابق ترتیب دی گئی ہو اور ان میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ ساتھ مقطوع اور موقوف احادیث بھی جمع کر دی گئی ہوں جیسے ''مصنف ابی بکر' مصنف عبدالرزاق اور اس کو مؤطاء بھی کہا جاتا ہے جیسے مؤطا امام مالک وغیرہ۔ اس زمرے میں امام ابوحنیفہؒ کی ''کتاب الآثار'' کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ (مسانید الامام الاعظم' ص 74-75)

10- اربعینیات:

ان کتب حدیث میں کسی ایک باب یا چند ابواب کے متعلق یا کسی ایک مسئلہ اور کئی مسائل کے متعلق چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً امام نووی کی کتاب ''الاربعون صحیح'' اور ڈاکٹر عزیز الدین ابراہیم کی کتاب ''الاربعون القدسیہ' وغیرہ۔

المسانید

مسانید' مسند کی جمع ہے۔ اس سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں احادیث' صحابہ کے اسمائے گرامی کی ترتیب سے مرتب کی جاتی ہیں اور احادیث کے موضوع کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

صحابہ کے درمیان ترتیب افضلیت کی بنیاد پر ہوسکتی ہے جیسے پہلے خلفائے راشدین اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے باقی صحابہ وغیرہ یا سبقت اسلام کی بنیاد پر یا حسب ونسب کی بنیاد پر یا حروف ہجائی کی ترتیب پر۔

سب سے پہلی مرتبہ مسند' امام ابوداؤد الطیالسی (ف 204ھ) کی ہے اور سب سے عظیم اور مشہور مسند امام احمد بن حنبل (ف 241ھ) کی ہے' آخر الذکر کی ترتیب اس طرح ہے:

- مسانید خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
- مسانید بقیہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم
- مسند اہل بیت رضی اللہ عنہم
- مسند مکثرین مثلاً عبادلۃ اربعۃ (ابن مسعود' ابن عباس' ابن عمر اور ابن عمرو رضی اللہ عنہم)
- مسند مکی صحابہ رضی اللہ عنہم
- مسند مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم
- مسند شامی صحابہ رضی اللہ عنہم
- مسند کوفی صحابہ رضی اللہ عنہم
- مسند بصری صحابہ رضی اللہ عنہم

- مسند انصار رضی اللہ عنہم
- مسند صحابیات رضی اللہ عنہن

مسند احمد میں چالیس ہزار کے قریب احادیث ہیں، ان میں سے دس ہزار مکرر ہیں۔ امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ احادیث سے یہ احادیث منتخب کی تھیں۔ موجودہ مطبوعہ نسخے میں احادیث کی تعداد 27,634 ہے۔

ایک مسند امام شافعی (ف 204ھ) کی جانب منسوب ہے جو خود ان کی مرتبہ نہیں ہے بلکہ محمد بن یعقوب نیشاپوری ابوالعباس الأصم کی مرتبہ کردہ ہے۔

دوسری مشہور مسانید میں بقی بن مخلد (ف 272ھ) کی مسند ہے جس میں بقول احمد شاکر 31064 احادیث ہیں۔ ان کے علاوہ امام ابوبکر الحمیدی (ف 219ھ)، اسحاق بن راہویہ (ف 238ھ)، امام حافظ عبد بن حمید (ف 249ھ)، حافظ ابوبکر البزار احمد بن احمد بن عمرو البصری (ف 292ھ) اور ابویعلی الحافظ الموصلی (ف 307ھ) کی مسانید قابل ذکر ہیں۔

امام ابوحنیفہ (ف 150ھ) کی مسند حافظ ابونعیم اصفہانی کی مرتب کردہ متداول اور مشہور ہے۔

القاب محدثین

الحافظ:

محدثین کا مخصوص لقب، اس وقت وہ اس لقب کے مستحق ہوتے ہیں جب احادیث رسول ﷺ کو سمجھتے ہوں، ان کے طرق و اسانید کا علم اور اہل علم کے بتائے ہوئے قوانین اور اصطلاحات پوری طرح جانتے ہوں۔ حافظ ابن حجر نے حافظ کہلانے کے لئے چند شروط بتائی ہیں:

1- وہ شخص شیوخ سے براہ راست علم حاصل کرنے کے بارے میں مشہور ہو۔ اس کا علم محض کتابی نہ ہو۔
2- راویوں کے طبقات اور مراتب کا عالم ہو۔
3- جرح و تعدیل کا عالم ہو، صحیح اور ضعیف میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہاں تک کہ اس کی حفظ کردہ احادیث کی تعداد ان احادیث سے زیادہ ہو جو اسے یاد نہ ہوں اور ایک بڑی تعداد میں متون اسے ازبر ہوں۔

چند معروف حفاظ حدیث یہ ہیں:

- امام احمد بن حنبل جنہیں دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

- امام یحییٰ بن معین جنھوں نے دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے تحریر کریں۔
- امام بخاری
- امام مسلم
- امام ابوزرعۃ الرازی

الحاکم:

محدثین کے لئے مخصوص لقب اور یہ لقب اس محدث کے لئے ہے جس کا علم حدیث، متن وسند، جرح وتعدیل کے ساتھ تمام ذخیرہ احادیث پر محیط ہو اور بہت کم اس کے علم سے باہر ہو۔

الحجة:

محدثین کے لئے مخصوص لقب، اس کا مستحق وہی محدث ہوسکتا ہے جو تین لاکھ احادیث کا علم مع متون واسانید رکھتا ہو۔

المحدث:

وہ شخص جو علم حدیث میں روایت و درایت کے ساتھ مشغول ہو اور روایات کے معتدبہ حصے اور روایات کے راویوں کا ادراک رکھتا ہو اور اپنے حفظ وضبط کے حوالے سے معروف ہو۔

امیر المؤمنین فی الحدیث:

حدیث کے راویوں کے القاب میں یہ لقب سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے علم حدیث میں حفظ، اتقان اور اتنی گہرائی حاصل کر لی ہو کہ وہ علم حدیث اور اس کی علتوں کے بارے میں تمام طرح کے علماء پر سبقت لے گیا ہو اور حافظ و حاکم جیسے حضرات بھی اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ یہ لقب ان محدثین کرام کو حاصل ہے:

- سفیان الثوری
- شعبہ بن الحجاج
- حماد بن سلمہ
- عبداللہ بن المبارک
- احمد بن حنبل
- امام بخاری
- امام مسلم

متاخرین میں سے حافظ ابن حجر العسقلانی بھی اس لقب سے معروف ہیں، تاہم عمومی طور پر اس لقب کا اطلاق صرف امام بخاری پر کیا جاتا ہے۔



برصغیر میں علم حدیث

برصغیر میں علم حدیث پر گفتگو کی ضرورت دو وجوہات کی بناء پر ہے۔ ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ برصغیر میں ایک خاص دور میں علم حدیث پر بہت کام ہوا۔ یہ کام اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی جامعیت کے ساتھ ہوا کہ عرب دنیا میں بہت سے حضرات نے اس کا اعتراف کیا اور اس کے اثرات وسیع پیمانے پر عرب دنیا میں بھی محسوس کئے گئے۔ مصر کے ایک نامور عالم اور دانشور علامہ سیّد رشید رضا نے یہ لکھا:

''اگر ہمارے بھائی' برصغیر کے مسلمان' نہ ہوتے تو شاید علم حدیث دنیا سے اُٹھ جاتا۔''

یہ اٹھارویں انیوس صدی کی صورت حال کا تذکرہ ہے۔ برصغیر کے علماء کرام نے اس دور میں علم حدیث کا پرچم بلند کیا جب دنیائے اسلام اپنے مختلف مسائل میں اُلجھی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی علمی اور تہذیبی روایتیں ایک ایک کرکے ختم ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ایک ایک کرکے بند کئے جا رہے تھے۔ اس لئے جہاں اور بہت سی روایات ختم ہو رہی تھیں' وہاں علم حدیث کی روایت بھی کمزور پڑ رہی تھی۔ اس دور میں برصغیر کے اہل علم نے اس روایت کا پرچم تھاما اور اس کو اس طرح زندہ کر دیا کہ اس کے اثرات پوری دنیا میں ہر جگہ محسوس کئے گئے۔

دوسری وجہ برصغیر میں خاص علم حدیث پر گفتگو کرنے کی یہ ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ کا موضوعی مطالعہ یعنی Objective Study کم ہوئی ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ برصغیر میں صف اوّل کے اہل علم کو' ایسے اہل علم کو' جن کے علمی کارناموں کو عرب دنیا کے صف اوّل کے اہل علم وتحقیق نے اور عجمی دنیا کے اکابر علماء نے تسلیم کیا' ہمارے ہاں مسلکی تقسیم کا نشانہ بنا دیا گیا۔ میں نے ایسے بہت سے حضرات کو دیکھا ہے جو صف اوّل کے بعض محدثین کے کام سے اس لئے واقف نہیں ہیں کہ ان محدثین کا تعلق اس مسلک سے نہیں تھا جس مسلک کا علمبردار یہ حضرات خود کو کہتے تھے۔ اس مسلکیت نے مسلمانوں کو علم کی ایک بہت بڑی دولت سے محروم کیا ہوا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک موضوعی انداز میں ان تمام محدثین کے علمی کام کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے برصغیر میں اس شمع کو روشن کیا۔ برصغیر میں علم حدیث مسلمانوں کی علمی تاریخ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ جنوبی ایشیا کی علمی تاریخ ہی کا ایک نہایت روشن' تابناک اور شاندار باب ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی عمومی علمی تاریخ کے اثرات برصغیر میں علم حدیث پر کی جانے والی تحقیق اور کاوشوں پر بھی پڑ رہے ہیں۔

برصغیر میں اسلام خلفائے راشدین کے زمانے میں ہی آ گیا تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ہندوستان میں، بمبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب حضرات تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔ انہی تابعین کے ہاتھوں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں مسلمانوں کے قافلے یہاں آنے جانے شروع ہوئے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں یہاں Fact Finding Missions بڑے پیمانے پر آئے اور برصغیر کا تذکرہ اسلامی ادب میں تیزی کے ساتھ ہونے لگا۔

پھر جب سن 92ھ میں محمد بن قاسمؒ کے ہاتھوں سندھ اور موجودہ پاکستان کا بیشتر حصہ فتح ہوا تو ان کے ساتھ بڑی تعداد میں تابعین اور بعض صحابہ کرامؓ بھی تشریف لائے۔ برصغیر کے ایک مشہور مؤرخ اور محقق قاضی اطہر مبارک پوری نے برصغیر کی تاریخ پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک کتاب انہوں نے خاص طور پر ان صحابہ کے تذکرے پر بھی لکھی ہے جو برصغیر میں آئے، یہاں رہے اور یہیں پر دفن ہوئے۔ خاص طور پر صحابہ کرامؓ کی یہ آمد سندھ، ملتان اور ان کے قرب و جوار کے علاقوں میں زیادہ کثرت سے ہوئی۔ ظاہر ہے ان میں کوئی نامور صحابیؓ تو شامل نہیں تھے، یہ صغار صحابہ ہی تھے جو یہاں تشریف لائے ہوں گے کیونکہ سن 92ھ میں یہ علاقہ فتح ہوا اور صحابہ کا زمانہ 110ھ تک کا ہے۔ اس لئے صحابہ میں سے بعض شخصیات یہاں تشریف لائیں لیکن صحابہ کرام سے کہیں زیادہ علمائے تابعین بڑی تعداد میں یہاں آئے۔ ان میں علم حدیث کے ماہرین بھی شامل تھے۔ (تاریخ بلاذری)

علم حدیث میں برصغیر کا Contribution تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے شروع ہو گیا تھا۔ ایک بزرگ تھے ابو معشر نجیح السندی، ان کے لقب کے ساتھ سندی یا سندھی لگا ہوا ہے۔ ان کی روایات اور ان کی بیان کردہ احادیث اور سیرت کا مواد کتب حدیث اور کتب سیرت میں کثرت سے ملتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ برصغیر میں اس روایت نے اتنی تیزی سے جڑیں پکڑیں کہ یہاں کے ایک نامور صاحب علم کا تذکرہ عراق، حجاز اور مصر کے نامور اصحاب علم کے ساتھ ہونے لگا۔

علم حدیث کے ارتقاء اور برصغیر میں علم حدیث پر ہونے والے کام کی رفتار اور اسلوب و انداز کے اعتبار سے دیکھا جائے تو برصغیر کی علمی تاریخ کے سات دور بنتے ہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کا پہلا دور:

سب سے پہلا دور وہ ہے جو محمد بن قاسمؒ کی فتح سندھ کے ساتھ شروع ہوا اور اس وقت تک جاری رہا جب دہلی میں مسلمانوں کی خودمختار اور مستقل بالذات سلطنت کا دارالحکومت قائم

ہوا۔ یہ وہ دور ہے جس میں مسلمانوں کے علمی روابط دنیائے عرب کے ساتھ بالعموم اور عراق کے ساتھ بالخصوص قائم ہوئے۔ عراق کے لوگ بڑی تعداد میں یہاں آئے۔ اسی طرح دوسرے عرب ممالک سے بھی لوگ بڑی تعداد میں یہاں برصغیر میں آ کر بسے۔ ان میں اہل علم بھی شامل تھے، محدثین بھی شامل تھے۔ ان محدثین کے جزوی تذکرے تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہ محدثین بڑی تعداد میں آتے رہے اور یہاں علم حدیث کی نشر و اشاعت اپنی مقدور بھر کوششوں کے ذریعہ تصنیفی اور تحقیقی کام کرتے رہے لیکن ان میں سے بیشتر کا کوئی مفصل تذکرہ نہیں ملتا۔ اُس دور کے اہل علم کے بارے میں اگر کوئی مواد ملتا بھی ہے تو وہ انتہائی مختصر اور محدود ہے۔ اس قلت معلومات کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بڑا اور نمایاں تصنیفی اور تحقیقی کام اس دور میں ایسا نہیں ہوا کہ جو کسی قابل ذکر کتاب کی شکل میں یا تصنیف کی شکل میں ہوتا اور ہم تک پہنچتا۔

برصغیر میں علم حدیث کا دوسرا دور:

اس کے بعد جب دہلی میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی اور وہ دور شروع ہوا جس کو دور سلطنت کہتے ہیں۔ اس وقت بڑی تعداد میں علمائے کرام برصغیر میں آئے جن میں علم حدیث کے ماہرین بھی شامل تھے لیکن اس دور میں ایک نئی خصوصیت یہ سامنے آئی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے علمی روابط دنیائے عرب سے کمزور ہو کر بلکہ بڑی حد تک کٹ کر دنیائے عجم سے قائم ہو گئے۔ اس لئے کہ محمد بن قاسمؒ اور ان کے ساتھی حجاز، عراق اور باقی عرب دنیا سے آئے تھے اور ان کے روابط عرب دنیا کے علمی مراکز کے ساتھ تھے۔ بعد میں دور سلطنت میں جو لوگ افغانستان اور سنٹرل ایشیا سے آئے ان کے روابط افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے علمی مراکز سے قائم رہے اور سنٹرل ایشیا ہی کی علمی اور دینی روایت کو انہوں نے فروغ دیا۔ سنٹرل ایشیا اور افغانستان کی مذہبی روایت میں منطق، کلام، عقلیات اور اصول فقہ کا زیادہ زور تھا۔ اس لئے اس دور میں علم حدیث پر زور نسبتاً کم ہو گیا۔ کم ہوتے ہوتے ایک وقت ایسا بھی آیا جس میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید برصغیر کے مرکزی علمی مقامات پر علم حدیث تقریباً ختم ہو گیا ہے اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ علم حدیث ہندوستان سے اُٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

انہی دنوں ایک بزرگ جو علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد تھے، وہ ہندوستان آئے اور اپنے ساتھ علم حدیث کے ذخائر بھی لے کر آئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ ہندوستان سے واپس چلے گئے۔ ایک اور بزرگ جو بڑے نامور محدث تھے، یہاں تشریف لائے اور اس خیال سے آئے کہ برصغیر میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کریں گے لیکن جب ہندوستان کی سرحد کے قریب پہنچے تو یہ سن کر واپس چلے گئے کہ اس ملک کا بادشاہ بے نمازی ہے اور بعض ایسے اعمال میں مبتلا ہے جو شرعاً

قابل اعتراض ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ میں ایسے ملک میں نہیں رہ سکتا جہاں حکمران اس سطح کے لوگ ہوں۔ اس لئے اس دور میں علمی اعتبار سے کسی بڑے کارنامے کا ذکر نہیں ملتا۔

البتہ دو چیزیں ایسی ہیں جو بڑی نمایاں اور قابل توجہ ہیں۔ اس زمانے میں بھی جب پورے برصغیر میں علمی اعتبار سے علم حدیث کا میدان خشک سالی کا شکار تھا اور گلستان حدیث میں خزاں کا دور دورہ تھا' اس زمانے میں بھی دو کام بڑے نمایاں ہوئے۔ ایک کام تو ہمارے موجودہ پاکستان میں ہوا اور دوسرا کام مغربی ہندوستان کے صوبہ گجرات میں ہوا جہاں آج بھی مسلمانوں کی بڑی آبادیاں اور تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ ہمارے اسی پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ایک بہت بڑے محدث نے جو اس زمانے میں دنیائے اسلام میں صف اوّل کے چند محدثین میں سے ایک تھے' انہوں نے اس علاقہ کو اپنا وطن بنایا اور لاہوری کہلائے۔ انہوں نے علم حدیث پر جو کام کیا وہ کئی سو سال تک پوری دنیائے اسلام میں بہت مشہور و معروف اور مقبول رہا۔ ان کا اسم گرامی تھا امام حسن بن محمد صغانی لاہوری۔ امام صغانی لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں طویل عرصہ تک قیام کرنے کی وجہ سے وہ لاہوری کہلائے۔ اگرچہ ان کے بارے میں یہ بات مختلف فیہ ہے کہ وہ اصل میں کہاں کے رہنے والے تھے۔ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق بدایون سے تھا جو یو۔ پی کا ایک شہر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق پنجاب ہی کے کسی علاقے سے تھا۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ لاہور ہی میں قیام فرما رہے' لاہور ہی کو انہوں نے اپنا وطن بنایا' پھر ایک طویل عرصہ کے بعد وہ لاہور سے دنیائے عرب چلے گئے اور حجاز میں سکونت اختیار فرمائی اور حرمین ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ حدیث پر ان کی کتاب ہے:

"مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ"

جس کو مختصراً ''مشارق الانوار'' کہا جاتا ہے۔

(محمد اسحاق بھٹی' علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ' ص 77-78)

مشارق الانوار برصغیر میں کئی سو سال تک حدیث کی ایک مستند کتاب کے طور پر مروج رہی ہے' درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ بہت سے حضرات نے اس کے ترجمے کئے اور اس کی شرحیں لکھیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ایک قدیم ترین کتاب کے طور پر موجود ہے۔ جب برصغیر میں طباعت اور نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت یعنی بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں یا تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں ''مشارق الانوار'' کا یہ اُردو ترجمہ شائع ہوا تھا۔

''مشارق الانوار'' ایک ضخیم کتاب ہے جس میں صحیحین کی قولی احادیث کا انتخاب ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جتنی احادیث ہیں' ان میں فعلی اور تقریری احادیث کو انہوں نے نکال دیا ہے اور قولی احادیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے قولی ارشادات گرامی کو منتخب کر کے اور سند حذف

کر کے انہوں نے جمع کر دیا ہے۔ گویا وہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی روایت اور سند کے فنی مباحث سے ہٹ کر عام قارئین تک پہنچ جائیں تا کہ عام لوگ اس کا مطالعہ کر سکیں۔ (نزہۃ الخواطر: 120/1)

یہ مشکوٰۃ سے پہلے لکھی جانے والی ایک کتاب تھی۔ امام صغانی لاہوری کی وفات 650ھ میں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے انہوں نے اس سے پہلے یہ کتاب لکھی ہو گی۔ ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں لکھی جانے والی یہ کتاب برصغیر میں طویل عرصہ تک مروج رہی۔ اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔ بعد میں استنبول میں جو کم و بیش سات سو برس تک دنیائے اسلام کا سیاسی مرکز اور خلافت عثمانیہ کا دارالحکومت رہا' وہاں کے ایک بزرگ نے اس کی شرح لکھی جو مطبوعہ موجود ہے اور استنبول سے 1328ھ میں شائع ہوئی تھی اور جس کا نام ہے:

"مبارق الاظهار فی شرح مشارق الانوار"

پنجاب کے اس غیر معمولی کارنامے کے علاوہ مغربی ہندوستان میں گجرات کے صوبے میں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے۔ انہوں نے علم حدیث پر جو کام کیا وہ دور سلطنت کا ایک نمایاں کام ہے۔ اس میں ایک بہت بڑے اور مشہور بزرگ شیخ محمد طاہر پٹنی تھے۔ ان کو عربی میں فتنی کہا جاتا ہے اس لئے کہ 'پ' کو معرب کر کے 'ف' کر دیتے ہیں اور 'ٹ' کو معرب کر کے 'ط' یا 'ت' کر دیتے ہیں۔ شیخ محمد طاہر فتنی کا تعلق صوبہ گجرات سے تھا۔ انہوں نے علم حدیث میں دو بڑے کارنامے کئے۔ ان میں سے ایک کارنامہ تو اپنی نوعیت کا بالکل منفرد ہے اور اتنا منفرد ہے کہ شاید دنیائے اسلام میں اس کی کوئی مثال ملے۔ دوسرا کارنامہ وہ ہے جس میں اور لوگ بھی ان کے ہمسر ہیں۔ ایک کام تو انہوں نے یہ کیا کہ "تذکرة الموضوعات" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں موضوع احادیث کو جمع کر دیا۔ موضوع احادیث پر کام کرنے والے بعد میں بھی بہت ہوئے۔ شیخ طاہر پٹنی سے پہلے بھی لوگ ہیں' اگرچہ کم ہیں۔ شیخ طاہر وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے برصغیر میں موضوعات پر ایک جامع کام کرنے کا ارادہ کیا اور تذکرة الموضوعات پر ایک ضخیم کتاب تیار کی جس کے کئی ایڈیشن پاکستان' ہندوستان اور عرب دنیا میں شائع ہوئے اور عام طور پر مشہور و معروف ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ان تمام احادیث کو مضامین کے لحاظ سے جمع کر دیا ہے جو ان کے خیال میں موضوع اور ناقابل قبول ہیں۔ یہ تو ایسا کام ہے جو اور جگہ بھی ہوا ہے لیکن ان کا وہ کام جس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا عنوان ہے: "مجمع بحار الانوار" یہ کتاب اسی نام سے مشہور ہے اور کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس کتاب کا مکمل نام ہے:

"مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار"

اس کتاب میں انہوں نے یہ کیا ہے کہ پوری صحاح ستہ کا جائزہ لے کر مکررات کو نکالا

اور بقیہ احادیث کو جمع کر کے ان کے غریب اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے اور اہم نکات کی شرح لکھی۔ اس طرح سے یہ گویا پوری صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ سب کی شرح موجود ہے۔ چھ کی چھ کتابوں میں مکررات نکال کر جو چیزیں بچتی ہیں، یہ کتاب ایک اعتبار سے ان کی شرح ہے تو اس کتاب کو سامنے رکھ کر گویا علم حدیث کی ساری کتابوں کے بارے میں پڑھنے والے کو کچھ نہ کچھ واقفیت ہو سکتی ہے۔ بہت سے اہل علم نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کا ذکر مختلف تذکروں میں ملتا ہے۔ یہ ایک ایسا اچھوتا کام ہے جو اس انداز میں برصغیر کے علاوہ کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔

صوبہ گجرات کے دو بڑے محدثین اور تھے جن میں ایک محدث سے ہم سب اور علم حدیث کا ہر طالب علم اور پوری دنیائے اسلام واقف ہے۔ وہ ہیں شیخ علی المتقی الہندی (ت 975ھ) اگر کہا جائے کہ شیخ علی متقی دنیائے اسلام میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے محدث تھے تو شاید غلط نہیں ہوگا۔ وہ گجرات سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور زندگی بھر وہیں رہے۔ انہوں نے ایک ایسا کام کیا جو اپنی نوعیت کا ایک بہت بڑا اور منفرد کام تھا۔ انہوں نے یہ چاہا کہ تمام احادیث رسول ﷺ کو جو تمام دستیاب مجموعوں میں موجود ہیں، حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے "کنز العمال" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ "کنز العمال" میں تمام صحاح ستہ، مسند امام احمد، معجم طبرانی، مسند ابوداؤد طیالسی اور حدیث کی جتنی کتابیں ان کو دستیاب ہوئیں، ان سب کی احادیث کو انہوں نے حروف تہجی کے حساب سے جمع کر دیا ہے۔

(کنز العمال فی سنن الاقوال: 4/1)

یہ کتاب کئی بار چھپی ہے۔ پہلی بار تو قدیم انداز میں چھپی تھی۔ کتاب کے قدیم ایڈیشنوں میں احادیث کی تعداد کا کوئی بندوبست نہیں تھا کہ ان کو ترتیب وار، نمبر شمار لگا کر شائع کیا جائے۔ لوگوں نے انفرادی طور پر Manually اس کی گنتی کی تو بعض لوگوں کے مطابق اس میں 52,000 احادیث ہیں، کچھ اور لوگوں کے اندازہ کے مطابق اس سے کم اور کچھ کے اندازہ کے مطابق اس سے زیادہ ہیں۔

چند سال پہلے یہ کتاب عرب دنیا میں بڑی تحقیق اور اہتمام کے ساتھ چھپنی شروع ہوئی اور کتاب کے مرتب و محقق نے ہر حدیث کا نمبر بھی ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں کہ پوری کتاب مکمل ہوئی کہ نہیں ہوئی۔ اس کے بعض اجزاء آنے شروع ہوئے تھے اور میں نے دیکھے تھے۔ اگر مکمل ہو گئی ہے تو صحیح تعداد کا اندازہ ہو گیا ہوگا جس کا مجھے پتہ نہیں ہے لیکن یہ ایک بڑی اہم کتاب ہے جو ایک طویل عرصہ تک طلبہ حدیث کے مطالعہ کا موضوع رہی اس لئے کہ اس میں حدیث کو تلاش کرنا اور اس کا حوالہ دینا بڑا آسان ہے۔ اگر حدیث کے شروع کا حصہ آپ کو یاد ہو تو حروف تہجی کی ترتیب سے کتاب شروع کر دیں۔ نہ یہ جاننے کی

ضرورت ہے کہ اس کے راوی کون ہیں' نہ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ دراصل یہ حدیث کس کتاب میں ہے اور نہ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اصل اور ابتدائی راوی کون ہیں۔ اگر پہلا لفظ آپ کو یاد ہے تو مزید کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔ اس حساب سے یہ کتاب طلبہ اور محققین' واعظین' مقررین اور عام مسلمانوں کے لئے بڑی مفید ہے۔ سب نے اس سے استفادہ کیا اور بہت جلد یہ مقبول ہوئی۔

شیخ علی المتقی کے بعد علم حدیث میں نمایاں کام کرنے والے انہی کے شاگرد تھے شیخ عبدالوہاب المتقی' جو ایک بہت بڑے محدث تھے۔ وہ بھی ہجرت کرکے ہندوستان سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں علم حدیث کو بڑے پیمانے پر عام کیا۔ گجرات اور برصغیر کا نام ان کی وجہ سے ہر جگہ روشن ہوا۔ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں سے آنے والوں نے ان سے کسب فیض کیا۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں برصغیر کے لوگ بھی شامل تھے اور باہر کے لوگ بھی۔ یہ تین شخصیات تو ان لوگوں میں انتہائی نامور حیثیت رکھتی ہیں جن کا تعلق برصغیر سے ہے اور جنہوں نے اس کام کو اس طرح سے انجام دیا کہ پوری دنیا میں اس کے اثرات محسوس کئے گئے۔

برصغیر میں علم حدیث کا تیسرا دور:

دور مغلیہ جو دور سلطنت کے بعد آیا اس کو ہم علم حدیث کے اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز کہہ سکتے ہیں۔ علم حدیث پر ایک نئے انداز سے اور نئے جوش وخروش سے دور مغلیہ میں کام کا آغاز ہوا۔ اگرچہ اس نئے جوش وخروش کا مغل حکمرانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا اعزاز ان کو نہیں جاتا لیکن چونکہ یہ کام مغل حکمرانوں کے زمانے میں ہوا اس لئے ان کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یہ دور دو بڑی شخصیات سے عبارت ہے۔ وہ دو بڑی شخصیات جن کے تذکرے کے بغیر برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں ایک شخصیت تو ایسی ہے کہ دنیائے اسلام میں حدیث کی تاریخ ان کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہے تو درست ہے۔ ان میں سے پہلی شخصیت تو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے اور دوسری شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تذکرہ کے بغیر علم حدیث کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے امیرالمومنین فی الحدیث ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (ف 1052ھ):

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تعلق دہلی سے تھا۔ علم حدیث سے ان کی دلچسپی اور علم حدیث میں ان کی خدمات اس درجہ کی ہیں کہ محدث دہلوی کا لفظ ان کے نام کا حصہ بن گیا

ہے۔ آپ نے دہلی کے رہنے والے بہت سے لوگوں کے نام کے ساتھ حقی کا لفظ سنا ہوگا' وہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے ہیں اس لئے حقی کہلاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خاصی طویل عمر پائی۔ یہ اکبر کے زمانے میں پیدا ہوئے اور شاہجہان کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ جہانگیر ان سے متاثر تھا' اس نے انہیں اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ وہ جہانگیر سے ملنے کے لئے اس کے دربار میں تشریف لے گئے اور جہانگیر سے ملے۔ جہانگیر ان کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے روزنامچے میں جو ''تزک جہانگیری'' کے نام سے مطبوعہ موجود ہے' ان کا ذکر کیا اور بڑے تعریفی انداز میں لکھا ہے کہ ''ایسے لوگ بہت کم ہیں' میں ان کی شخصیت اور کردار سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔'' یعنی ایسی شخصیت کہ جن کا بادشاہوں نے نوٹس لیا اور بادشاہوں نے اپنی تحریروں میں جن کا ذکر کیا ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شامل ہیں۔

شیخ عبدالحق نے حرمین کا سفر کیا اور تین سال وہاں بسر کئے۔ حرمین کے بہت سے مشائخ سے بھی کسب فیض کیا' سندیں اور اجازت حاصل کی اور اس کے بعد واپس ہندوستان آ گئے۔

یہاں آنے سے پہلے اور آنے کے بعد انہوں نے یہ محسوس کیا کہ برصغیر کی بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ یہاں براہ راست قرآن مجید' حدیث اور سیرت کا مطالعہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ عقلیات اور معقولات پر زیادہ زور ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں تدین' خشیت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو براہ راست قرآن مجید' حدیث اور سیرت کے مطالعہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں اکبر کی گمراہی عام تھی۔ (تاریخ اہلحدیث' ص 396-398)

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

الحاد کا وہ بیج جو اکبر نے بویا تھا وہ دوبارہ دارا کی فطرت میں اُگ کر سامنے آ گیا تھا۔ گویا اکبر کا الحاد دور ضرب المثل ہے۔ اس کی وضاحت یا تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت ہی بددینی اور الحاد کا زمانہ تھا جس کے منفی اثرات مسلم معاشرہ پر مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس دور میں اور ان حالات میں جن حضرات نے اس صورت حال کو بدلنے کے لئے قدم اٹھایا' ان میں سے ایک بڑا نمایاں نام حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بھی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تین بڑے کام کئے: ایک بڑا کام تو یہ کیا کہ دہلی میں علم حدیث کا ایک بہت بڑا حلقہ شروع کیا جہاں سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طلبہ اور اہل علم نے

ان سے کسب فیض کیا اور علم حدیث کا ایک نیا رجحان دارالحکومت دہلی میں شروع ہوا جس کے اثرات باقی معاشرہ پر بھی ہوئے۔ ان کے تلامذہ ان سے پڑھ کر دوسرے شہروں میں گئے۔ دوسرے شہروں میں علم حدیث کے حلقے قائم ہوئے اور علم حدیث کی ایک نئی خوشبو ایک تازہ ہوا اور ایک نئی نسیم جاں فزا ہندوستان میں پھیلنا شروع ہوئی جس کے محرک اوّل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے دوسرا کام یہ کیا کہ علوم نبوت پر چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں لکھنا شروع کیں جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق استوار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے محبت پیدا ہو، حضور ﷺ کی شخصیت پر، آپ ﷺ کے شمائل پر، نبوت اور مدینہ منورہ کے فضائل جیسے موضوعات پر انہوں نے فارسی میں مختلف چھوٹے بڑے رسائل لکھے جو بہت مقبول بھی ہوئے اور ان کے بھی بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر میں حدیث کی تعلیم کی ایک باقاعدہ روایت پیدا کی، اس روایت کو مضبوط علمی بنیادوں پر قائم کیا اور اس طرح قائم کیا کہ ان کے انتقال کے کئی سو سال بعد تک بھی وہ جاری رہی۔ انہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرحیں تیار کیں جو فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں تیار ہوئیں۔ مشکوٰۃ المصابیح آٹھویں صدی میں لکھی گئی تھی اور یہ حدیث کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ ایک طویل عرصہ مشکوٰۃ درسی کتاب کی حیثیت سے رائج رہی ہے اور آج بھی بہت سے اداروں کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کو برصغیر میں متعارف کرانے والے اور بطور نصابی کتاب کے اختیار کرنے والے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس کتاب کو اپنے ادارے میں متعارف کرایا۔ ان کی وجہ سے یہ کتاب بقیہ ہندوستان میں متعارف ہوئی اور اس کو پڑھ کر بہت سے لوگ حدیث رسول ﷺ سے پہلی مرتبہ واقف ہوئے۔ انہوں نے اس کتاب کی دو شرحیں لکھیں: ایک فارسی میں "**اشعة المعات فی شرح المشکوٰة**"، جو نسبتاً مختصر ہے اور عام تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ہے۔ اس میں انہوں نے احادیث کا فارسی ترجمہ بھی کیا، مختصر تشریح بھی کی، مشکل الفاظ کے معانی بھی بیان کئے اور جہاں جہاں ضرورت ہوئی کچھ تفصیلی مباحث بھی بیان کئے جو برصغیر کے حالات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے گئے تھے۔

دوسری کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے عربی زبان میں "**لمعات التنقیح**" کے نام سے لکھی جو کئی بار چھپی ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ یہ علمائے حدیث اور متخصصین کے لئے ہے۔ اس میں لغوی، فقہی اور کلامی مباحث خاصی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس کا

مقصد یہ تھا کہ علمائے کرام جو دینی علوم کے متخصص ہیں، وہ علم حدیث کے متخصص بھی ہو جائیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ کام اپنی جگہ ایک تاریخ ساز کام تھا۔ اس تاریخ ساز کام کے انتہائی دیرپا اثرات ہوئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے انتقال کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ روایت کمزور پڑ گئی۔ ان کا انتقال گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں غالباً 1052ھ میں ہوا۔ ان کو طویل عمر ملی، تقریباً پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور کم و بیش پچاس سال وہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے واپسی پر درس حدیث دیتے رہے۔ سفر حرمین سے پہلے بھی وہ درس حدیث دیتے رہے لیکن اب پچاس سال مسلسل درس دینے کی وجہ سے پورے ہندوستان پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ روایت کمزور پڑ گئی۔

ہندوستان میں وسط ایشیا کے اثرات کی وجہ سے علقیات کو غیر معمولی پذیرائی ملی تھی اور منطق اور فلسفہ کی گہری اور طویل تعلیم کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصول فقہ بھی منطق اور فلسفہ کے رنگ میں پڑھائے جاتے تھے۔ اصول فقہ کی جو کتابیں برصغیر میں لکھی گئیں وہ ساری کی ساری منطق اور فلسفہ کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔ اگر آپ اصول فقہ کے طالب علم ہوں اور یہاں کی لکھی ہوئی کوئی درسی کتاب اٹھا کر دیکھیں تو اس اسلوب کا اندازہ ہو جائے گا جو برصغیر میں رائج تھا۔ ملاّ محب اللہ بہاری برصغیر کے ایک مشہور اصولی تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے "مسلم الثبوت" اسے اگر آپ دیکھیں تو یہ اتنی مشکل کتاب ہے کہ اصول فقہ کی تاریخ میں اس سے مشکل کتاب شاید اور کوئی نہ ہو۔ اگر اصول فقہ کے موضوع پر چار پانچ مشکل ترین کتابوں کا نام لیا جائے تو ان میں سے ایک ملاّ محب اللہ کی یہ کتاب ہوگی۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے دانتوں کو پسینہ آ جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ عقلیات اصول فقہ پر بھی اتنی اثر انداز ہوئیں کہ اصول فقہ کی کتابیں بھی خالص منطق اور عقلیات کی بنیاد پر لکھی جانے لگیں۔ اس لئے علم حدیث پر توجہ پھر کمزور پڑ گئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ف 1172ھ):

اس کے بعد دوبارہ علم حدیث کی طرف توجہ دلانے کا کارنامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انجام دیا اور اتنے غیر معمولی اخلاص سے انجام دیا کہ ان کا جاری کردہ سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے اور برصغیر کا ہر وہ طالب علم جو حدیث پڑھتا ہو اور ہر وہ اُستاد جو حدیث پڑھاتا ہو وہ شاہ صاحب کا ممنون احسان ہے۔ شاید برصغیر کے وابستگان حدیث میں 99 فیصد لوگ براہ راست اس روایت سے وابستہ ہیں۔ ننانوے بھی میں نے صرف احتیاطاً کہہ دیا ورنہ ممکن ہے کہ ایک آدھ ہی اس روایت سے باہر ہوں ورنہ شاید برصغیر میں علم حدیث سے اعتناء کرنے والے سو

فیصد علماء براہ راست شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی روایت سے وابستہ ہیں۔
(نزہتہ الخواطر: 398/6)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حجاز تشریف لے گئے۔ ایک سال وہاں مقیم رہے' انہوں نے برصغیر میں سب سے پہلے اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے ایک مشہور محدث تھے حاجی شیخ محمد افضل جو ہمارے پنجاب میں سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ سیالکوٹ میں انہوں نے علم حدیث کی شمع روشن کی تھی اور لوگ بڑی تعداد میں سیالکوٹ آکر ان سے علم حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ ان سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد نے علم حدیث پڑھا تھا۔ پھر ایک اور مشہور بزرگ تھے جو مکہ مکرمہ میں حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے شیخ ابوطاہر الکردیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان سے بھی ایک سال تک علم حدیث کی تعلیم پائی اور تیرہ مہینے ان کے درس میں شریک رہے۔ شاہ صاحبؒ کی شخصیت پر شیخ ابوطاہر کردیؒ کے انتہائی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یہاں تک کہ شاہ صاحب نے ہندوستان واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور شیخ ابوطاہر کردیؒ کو بتایا کہ میں پوری زندگی آپ کے قدموں میں گزارنا چاہتا ہوں۔ جب شاہ ولی اللہؒ یہ بات ان سے کہہ رہے تھے تو شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا:

نسیت کل طریق کنت اعرفه
الا طریقاً یودینی الی ربعکم

''میں ہر راستہ بھول چکا ہوں سوائے اُس راستہ کے جو آپ کے گھر تک آتا ہے۔''

لیکن شیخ ابوطاہر کردیؒ نے کہا کہ جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرو بلکہ ابھی غور کر لو۔ انہوں نے خود بھی چند روز غور کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے کہا کہ تم یہاں نہ رہو اور واپس ہندوستان چلے جاؤ۔ شیخ ابو طاہر نے بہ اصرار شاہ صاحب کو واپس بھیج دیا۔ اس وقت شاہ صاحب بڑے بوجھل دل کے ساتھ واپس تشریف لے آئے لیکن واپس تشریف لانے کے بعد شاہ صاحب نے جو کارنامے انجام دیئے اور جن کا سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے' ان کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ابوطاہر کردیؒ نے کسی خاص نیت سے ان کو بھیجا تھا اور شاہ صاحب کو بھی اس کا اندازہ ہو گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے برصغیر میں علم حدیث اور علوم حدیث کی ایسی نئی روایت کو پروان چڑھایا جو اتنی مضبوط تھی اور اخلاص کی ایسی مضبوط بنیادوں پر استوار تھی کہ آج بھی ان کی رکھی ہوئی بنیادیں موجود ہیں۔ ان کے لگائے ہوئے چمنستان حدیث کے گلہائے معطر گزشتہ ڈھائی سو سال سے برصغیر کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ ان کے جاری کئے ہوئے کام کے ثمرات آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں جن سے آج تک لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

شاہ صاحب نے علم حدیث کی تدریس کا ایک حلقہ قائم کیا اور اعلیٰ ترین سطح پر علم حدیث

کی تعلیم دی۔ اپنی خاص نگرانی میں ماہرین حدیث کی ایک جماعت تیار کی' ان کو ہندوستان کے مختلف گوشوں میں متعین کیا اور جگہ جگہ حدیث کی تعلیم کے ادارے قائم کیئے۔ خود انہوں نے علوم حدیث پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جو فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے علوم حدیث میں ایک نئے فن کی بنا ڈالی' بنا ڈالنے کا یہ لفظ شاید درست نہ ہو' اس لئے کہ ان سے پہلے بھی کئی حضرات نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا تھا لیکن جس انداز سے شاہ صاحب نے قلم اُٹھایا تھا' اس کی مثال نہیں ملتی۔

شاہ صاحب نے علم حدیث کی تاریخ کا ایک قابل ذکر کام یہ کیا کہ حدیث نبوی ﷺ کے پورے ذخائر کو جمع کرکے اور ان کا مطالعہ کرکے ان میں جو اسرار دین اور شریعت کے بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں' ان کو اس طرح اُجاگر کیا کہ پورے علوم حدیث اور علوم نبوت کی روح پڑھنے والے کے سامنے آ جاتی ہے۔ یہ کارنامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی جس کتاب میں ہے اس کا نام ''حجتہ اللہ البالغہ'' ہے جس کا اُردو اور انگریزی ترجمہ دونوں دستیاب ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ کیا تھا لیکن وہ شائع نہیں ہوا ہے۔ عربی میں اصل کتاب دنیائے عرب اور عجم میں درجنوں مرتبہ چھپی ہے اور دنیا کے ہر گوشے کے اہل علم نے مراکش سے لے کر انڈونیشیا اور جنوبی افریقہ سے لے کر انتہائی شمال تک جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں' اس سے استفادہ کیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مؤطا امام مالک کو علم حدیث کی بنیادی کتاب کے طور پر اختیار کیا۔ وہ مؤطا امام مالک کے بڑے مداح تھے۔ وہ اس کو صحیحین سے افضل اور اصح ترسمجھتے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو مؤطا امام مالک کو اصح الکتب بعد کتاب اقرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جتنے مکاتب فقہ ہیں' وہ سارے کے سارے بالواسطہ اور بلاواسطہ مؤطا امام مالک سے متاثر ہیں اور مؤطا امام مالک میں ان تمام مکاتب فکر کی جڑ موجود ہے جن کی بنیاد پر فقہی مکاتب اور حدیثی اسکول مرتب ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ تمام بڑے بڑے محدثین بالواسطہ اور بلاواسطہ امام مالک کے شاگرد ہیں اس لئے ان کے حدیثی کام پر امام مالک کے اثرات نمایاں ہیں۔

امام شافعیؒ براہ راست ان کے شاگرد ہیں۔ امام محمد ابن حسن شیبانی جو فقہ حنفی کے مدون اوّل ہیں' وہ ان کے براہ راست شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل ایک واسطہ سے ان کے شاگرد ہیں۔ اس لئے چاروں مکاتب فکر امام مالک سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متعلق اور متاثر ہیں۔ لہٰذا مؤطا امام مالک کو دین و شریعت کی ساری تعلیم کی بنیاد ہونا چاہئے تاکہ سب مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جا سکے۔ اہل فقہ' اہل حدیث اور تمام اہل علم سب امام مالک کی ذات کے گرد ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ شاہ صاحب کا نقطۂ نظر تھا جو انہوں نے کئی جگہ بڑی

تفصیل سے لکھا بھی ہے۔ اس لئے شاہ صاحب نے مؤطا امام مالک کا درس دینا شروع کیا۔ برصغیر میں پہلی مرتبہ مؤطا امام مالک کا درس انہوں نے ہی شروع کیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مؤطا امام مالک کی دوشرحیں لکھیں جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی دوشرحیں لکھی تھیں' اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مؤطا امام مالک کی دوشرحیں ایک فارسی میں اور ایک عربی میں لکھیں۔عربی میں ''المسویٰ'' ہے جو مفصل ہے اور فارسی میں ''المصفیٰ''،لکھی جو مختصر ہے۔''المسویٰ'' حدیث کے ماہرین اور طلبہ کے لئے ہے اور ''المصفیٰ'' عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ (ف 1239ھ):

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یوں تو بہت سے شاگرد اور طلبہ تھے لیکن ان کے شاگردوں اور طلبہ میں جو سب سے نمایاں نام ہے وہ ان کے اپنے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی عمر تو شاید اکسٹھ یا باسٹھ سال ہوئی لیکن شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی عمر زیادہ ہوئی۔قریباً اسّی پچاسی سال ان کی عمر ہوئی اور انہوں نے کم وبیش پینسٹھ ستر سال تک ہندوستان میں درس حدیث دیا۔ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی عمر اٹھارہ یا انیس سال تھی اور وہ اسی وقت فارغ التحصیل ہو کر نئے نئے مدرس ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی جگہ سنبھالی اور علم حدیث اور درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ آج برصغیر میں عوامی سطح پر درس قرآن کے جو حلقے جاری ہیں' ان کے بانی شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ہیں۔ ان سے پہلے اس طرح عوامی سطح پر درس قرآن نہیں ہوا کرتا تھا۔ محدود درس قرآن کا آغاز شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دادا شاہ عبدالرحیمؒ نے کیا تھا' پھر شاہ ولی اللہؒ نے اس کو جاری رکھا لیکن وہ محدود اہل علم کے لئے تھا۔عوامی سطح پر جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہوں' وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا درس قرآن ہوا کرتا تھا جو ہفتہ میں دو مرتبہ ہوتا تھا۔ اس میں مغل حکمرانوں کے اہل خانہ' شہزادے اور اعلیٰ حکام بھی شریک ہوتے تھے۔ ایک آدھ مرتبہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے مغل بادشاہ کے ہاں جا کر بھی درس دیا اور مغل بادشاہوں نے بھی ان کے درس میں شرکت کی۔

(نزہتہ الخواطر: 274/7 اور حدائق حنفیہ' ص 487)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے کم وبیش ستر سال تک مؤطا امام مالک اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں کا درس دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے علم حدیث پر دو بڑی کتابیں لکھیں۔ ان کی ایک کتاب ''بستان المحدثین'' ہے۔ یہ کتاب دراصل فارسی میں ہے اور اس کا اُردو ترجمہ بھی ملتا ہے۔ محدثین کے تذکرہ سے متعلق ہے جس میں محدثین کی خدمات اور

تذکرہ پر پہلی مرتبہ برصغیر میں کتاب لکھی جس سے عام آدمی کو علم حدیث کے کارنامے اور محدثین کی خدمات کا پتہ چلا۔ ان کی دوسری کتاب ''عجالہ نافعہ'' ہے جس کا اُردو ترجمہ مکمل شرح کے ساتھ موجود ہے۔ اس میں انہوں نے اصول حدیث اور علوم حدیث پر اختصار کے ساتھ ایک درسی کتاب تیار کی جو بہت سے مدارس میں طویل عرصہ تک پڑھائی جاتی رہی۔

شاہ صاحب کے بہت سے شاگردوں نے علم حدیث کی شمع روشن کی اور ہندوستان کے ہر گوشے میں جا کر ہر علاقے میں علم حدیث کی تعلیم دی۔ ایک بڑے مشہور صاحب علم تھے، مفتی عنایت احمد کاکوروی جنہوں نے 1857ء کے جہاد میں حصہ لیا تھا اور انگریز کے خلاف جب پہلی بغاوت ہوئی تو اس میں وہ شریک تھے۔ انگریزوں نے ان کو عمر قید کی سزا دی تھی اور جزیرہ انڈیمان میں ان کو جلاوطن کیا تھا جہاں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ بڑے عالم، فقیہ اور مفتی تھے۔ ان کی پوری زندگی افتا میں گزری تھی اور وہ مجاہد بھی تھے۔ ان کو جزیرہ انڈیمان میں زندگی بھر کے لئے قید بامشقت دی گئی اور سزا یہ تھی کہ پورے جزیرے میں جو گندگی ہو اس کو صاف کیا کریں، اس زمانے میں ظاہر ہے کہ اٹیچ باتھ رومز اور ٹائلٹ کا موجودہ سسٹم نہیں تھا اور بیت الخلاء کو ہاتھوں سے صاف کیا جاتا تھا تو مفتی عنایت احمد کاکوروی کو اس بستی کے تمام بیت الخلاء صاف کرنے پر لگا دیا گیا تھا اور ان کی آخری عمر اسی کام میں صرف ہو گئی، انہی مفتی عنایت احمد کاکوروی کا کہنا ہے:

> ''شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ذات ایک ایسا شجرہ طوبیٰ ہے جس کی شاخیں اور جس کے پھل اور ٹہنیاں ہندوستان کے ہر مسلمان کے گھر میں پہنچے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جو ان شجرہ ہائے طیبہ کے ثمرات سے مستفید نہ ہوا ہو''

یہ بات بالکل درست ہے۔ برصغیر میں جتنی روایات علم حدیث کی ہیں وہ سب بالواسطہ اور بلاواسطہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے واسطے سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہنچتی ہیں۔ کچھ حضرات براہ راست شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتے ہیں اور بیشتر وہ ہیں جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے واسطے سے ان تک پہنچتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ستر سال تک درس حدیث دیا اور 1824ء میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے چونکہ انہوں نے طویل عمر پائی تھی اس لئے جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے جتنے ہم سن رشتہ دار اور بھائی تھے، وہ سب ان سے پہلے دنیا سے جا چکے تھے۔ اب ان کے جانشین ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق تھے۔ انہوں نے بھی کم وبیش چالیس یا پچاس سال ہندوستان میں درس حدیث دیا اور ہزاروں تلامذہ ان سے درس حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔ ان کے تلامذہ میں یہ کہنا کہ کون نمایاں ہیں اور کون نمایاں نہیں، یہ بڑا دشوار ہے۔ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ

کے ہزاروں شاگرد تھے جنہوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں علم حدیث کو عام کیا۔

حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ:

ان کے شاگردوں میں تین حضرات بڑے نمایاں ہیں' اتنے نمایاں ہیں کہ ان سے وہ روایتیں آگے چلیں جو ہندوستان کے ہر علاقے میں پھیلیں۔ ان کے ایک شاگرد تھے جو شیخ الکل یعنی ہر فن کے استاد اور سب کے اُستاد کہلاتے تھے۔ وہ تھے حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ شاہ محمد اسحاق 1857ء کے ہنگامہ کے کچھ سال بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ باقی زندگی وہیں گزاری اور وہیں ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ ان کے بعد ان کی جانشینی ہندوستان میں جن حضرات نے کی ان میں ایک تو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ تھے جن سے تلامذہ کا ایک طویل سلسلہ چلا۔ میاں صاحب کے تلامذہ میں جو لوگ نمایاں ہیں' ان میں سے دو تین نام میں عرض کر دیتا ہوں۔ ایک علامہ وحیدالزمان تھے جنہوں نے علوم حدیث کی تقریباً تمام کتابوں کا اُردو ترجمہ کیا اور اُردو زبان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ صحیح بخاری' مسلم' ترمذی' مؤطا امام مالک اور حدیث کی بہت سی کتابیں اُردو ترجمہ کے ساتھ سامنے آئیں۔ گویا اُردو زبان میں حدیث کی کتابوں کے پہلے مترجم علامہ وحید الزمان ہیں جو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔ ظاہر ہے اُردو میں ان کتب کے تراجم کی اشاعت سے علم حدیث جتنا عام ہوا ہو گا اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں۔

حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے دوسرے شاگرد تھے علامہ شمس الحق عظیم آبادی' یہ اتنے بڑے محدث ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑا محدث کوئی نہیں تھا یا اگر تھے تو ایک دو ہی تھے تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہو گا۔ انہوں نے دو کارنامے انجام دیئے جو بہت غیر معمولی تھے۔ ان کا ایک کارنام تو یہ تھا کہ انہوں نے "غاية المقصود" کے نام سے سنن ابوداؤد کی شرح لکھی جو بتیس جلدوں میں تھی۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ یہ شرح چھپ نہیں سکی۔ انہوں نے اس کی جلد اوّل شائع کی تو بعض لوگوں نے کہا کہ اتنی طویل شرح کون پڑھے گا' اس کو کیسے چھاپیں گے' پتہ نہیں آپ کی زندگی میں چھپ سکے گی یا نہیں۔ انگریزوں کا دور تھا' مسلمانوں کے پاس وسائل نہیں تھے' فقر و فاقہ تھا' نہ چندہ دینے والے تھے اور نہ کوئی مسلمان بڑی رقم بطور چندہ دینے کی پوزیشن میں تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی اور ایک دو شاگردوں کو اس کی تلخیص کے کام پر لگا دیا۔ یہ تلخیص "عون المعبود" کے نام سے شائع ہوئی اور آج چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے جو سنن ابوداؤد کی بہترین شرحوں میں سے ایک ہے۔ ''عون المعبود'' برصغیر' ایران' بیروت' مصر اور باقی عرب دنیا میں بھی چھپی ہے اور اس کے درجنوں ایڈیشن نکلے ہیں۔ (تاریخ اہلحدیث' ص 417-418)

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے ایک شاگرد اور ان کے سلسلہ کے ایک اور بزرگ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ تھے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ صف اوّل کے محدث تھے۔ انہوں نے سنن ترمذی کی ایک شرح لکھی جس کا نام ''تحفۃ الاحوذی'' ہے۔ اس کے بارے میں اگر میں یہ عرض کروں کہ یہ سنن ترمذی کی اتنی ہی بہترین شرح ہے جتنی بہترین شرح صحیح بخاری کی ''فتح الباری'' ہے تو شاید یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ جامع ترمذی کی اس سے بہتر کوئی اور شرح موجود نہیں ہے اور یہ برصغیر کے ایک صاحب علم کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جو دنیائے اسلام میں سمجھا بھی جاتا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا بیروت' تہران' مصر' ہندوستان' پاکستان اور کئی دوسری جگہوں پر بارہا چھپنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کو دنیائے اسلام میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔ برصغیر میں اس کا جو ایڈیشن شائع ہوا تھا وہ پانچ جلدوں میں ہے۔ عرب دنیا میں شائع ہونے والے ایڈیشنوں کی جلدیں مختلف ہیں۔ کوئی سولہ جلدوں میں ہے' کوئی پندرہ میں اور کوئی بیس میں!...... لیکن یہ ترمذی کی بہترین شرح ہے اور اگر کوئی اس سے اتفاق نہ کرے کہ یہ جامع ترمذی کی سب سے بہتر شرح ہے تو یہ تو بلاشک وشبہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب جامع ترمذی کی چند بہترین شرحوں میں یقیناً ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں کرے گا۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کے تلامذہ بہت کثرت سے ہیں۔ میں نے بھی ایک بزرگ سے اجازت حدیث لی تھی جو براہ راست علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کے شاگرد تھے اور گویا میں نے ایک واسطہ سے علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ سے اجازت حاصل کی ہے۔ وہ بزرگ درمیان میں ہیں اور انہوں نے مولانا مبارک پوریؒ سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ہمارے برصغیر کے مشہور عالم اور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی بھی علم حدیث میں مولانا مبارک پوریؒ کے شاگرد تھے۔

مبارک پور اعظم گڑھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ میں 1982ء میں اس گاؤں کو دیکھنے کے لئے صرف اس وجہ سے گیا تھا کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کا گاؤں ہے اس لئے دیکھنا چاہئے۔ وہ مدرسہ اب بھی قائم ہے جہاں مولانا مبارک پوریؒ حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ وہ کچا سا مکان اب بھی موجود ہے جس میں بیٹھ کر اتنا بڑا کام ہوا جو پوری دنیائے اسلام میں جامع ترمذی کی تدوین کے بعد نہیں ہوا تھا۔

شاہ محمد اسحاق کے دوسرے شاگردوں کا ایک دوسرا سلسلہ ہے جن میں ایک بڑے مشہور بزرگ تھے شاہ ابوسعید مجددی جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے اور شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں میں تھے' ان سے' ایک نیا سلسلہ شاہ اسحاق کے تلامذہ کا نکلا جن کے شاگرد

تھے مولانا شاہ عبدالغنی، ان کے شاگرد تھے مولانا مملوک علی، مولانا مملوک علی طویل عرصہ تک علم حدیث کے اُستاد رہے۔ ان کے تلامذہ میں ایک گروہ وہ ہے جو علماء دیوبند کہلاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو سرسید احمد خان اور ان کے ہمراہی ہیں۔ سرسید احمد خان بھی مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے اور علماء دیوبند میں مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی شامل ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے تلامذہ:

مولانا رشید احمد گنگوہی زندگی بھر حدیث پڑھاتے رہے۔ ان کے امالی یعنی حدیث میں ان کی تقریروں اور دروس کو بہت سے لوگوں نے جمع کر کے مرتب کیا اور شائع کرایا۔ صحیح بخاری کی شرح ''لامع الدراری'' کے نام سے ایڈٹ ہوئی اور بھی متعدد کتابوں کی شرحیں ایڈٹ ہوئیں اور ان کے نام سے یہ چیزیں شائع ہوئیں جو آج موجود ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگردوں میں دو شخصیات بہت نمایاں ہیں۔ ایک کا اسم گرامی تھا مولانا محمد یحیٰ اور دوسرے کا اسم گرامی تھا مولانا خلیل احمد۔ مولانا خلیل احمد نے سنن ابوداؤد کی شرح "بذل المجھود" کے نام سے لکھی۔ "بذل المجھود" بھی پندرہ بیس جلدوں میں ہے۔ عرب دنیا میں کئی بار چھپی ہے۔ مصر، ہندوستان، پاکستان اور کئی دوسری جگہوں پر چھپی ہے۔ یہ سنن ابوداؤد کی بہترین شرحوں میں سے ایک ہے۔ ''غایۃ المقصود'' کا درجہ تو بلاشبہ بہت اونچا ہے، پھر ''عون المعبود'' اور پھر ''بذل المجھود'' کا درجہ ہے اور پھر باقی شرحوں کا درجہ ہے۔ یہ بڑی جامع شرح ہے، فقہی اعتبار سے اس میں مسائل پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حدیثی اور روایتی مسائل پر ''عون المعبود'' میں زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

مولانا انور شاہ کشمیری:

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ایک شاگرد جنہوں نے دیگر علماء دیوبند سے بھی کسب فیض کیا، وہ خاتم المحدثین علامہ سید مولانا انور شاہ کشمیری ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ علماء دیوبند میں ان سے بڑا محدث پیدا نہیں ہوا۔ یقیناً علماء دیوبند میں حدیث کی جو روایت ہے اس کے سب سے بڑے ترجمان اور سب سے بڑے نمائندہ علامہ سید انور شاہ کشمیری ہیں جن کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد پورے برصغیر میں پھیلی ہوئی ہے۔ برصغیر میں بیسویں صدی کے نصف اوّل بلکہ 1925ء تک کی اس ابتدائی چوتھائی کو نکال کر جتنے بھی علماء حدیث مسلک دیوبند سے وابستہ ہیں وہ سب کے سب علامہ سید انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں۔ ان سب حضرات نے مل کر علم حدیث کے ہر موضوع پر کام کیا ہے۔ علم حدیث کی ہر کتاب کی شرح لکھی ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے جس کی مثال بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کے کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔ تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں۔ علامہ سید انور شاہ کشمیری کے درس حدیث کی اپنی

یادداشتیں ''فیض الباری'' کے نام سے قاہرہ میں شائع ہوئی ہیں جو ان کے شاگرد مولانا بدر عالم صاحب نے مرتب کی ہیں۔

مولانا انور شاہ کشمیری کے جو نوٹس جامع ترمذی پر تھے' وہ ان کے شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری نے جو میرے بھی استاد تھے' مرتب کئے جو ''معارف السنن'' کے نام سے شائع ہوئے۔ ترمذی پر ان کے ایک اور شاگرد مولانا محمد چراغ نے جن کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا' ''العرف الشذی'' کے نام سے کیا جو شاہ صاحب ہی کے امالی پر مبنی ہے اور مطبوعہ موجود ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کے ایک اور شاگرد مولانا محمد اشفاق الرحمٰن تھے جو مولانا مودودیؒ کے بھی استاد تھے' ان کی دو کتابیں ہیں۔ ایک ترمذی کی شرح ہے جو غیر مطبوعہ ہے اور دوسرے مؤطا امام مالک کی شرح ہے جو پاکستان میں کئی بار چھپی ہے اور مؤطا امام مالک کی مختصر اور جامع شرحوں میں سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کے کئی شاگردوں نے علم حدیث کے مختلف موضوعات پر کام کیا اور علم حدیث کا ایک پورا ذخیرہ انہوں نے ہندوستان میں چھوڑا۔ خود مولانا کے داماد اور شاگرد مولانا احمد رضا بجنوری نے صحیح بخاری پر اپنے شیخ کے امالی کو اُردو میں اٹھارہ جلدوں میں مرتب کیا۔ ان کی یہ کتاب ''انوار الباری'' کے نام سے پاکستان اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کا کام اتنا وسیع ہے کہ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو اتنا وقت درکار ہے کہ شاید پورا ایک دن بھی اس کے لئے کافی نہ ہوگا۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ کے عظیم الشان کام کو میں نے اتنے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو بہت وقت درکار ہوگا۔

فرنگی محلی علماء:

ایک اور بزرگ تھے بلکہ ایک اور روایت تھی جس کا میں دو تین جملوں میں ذکر کرتا ہوں۔ اس روایت سے وابستہ اہل علم کی بھی علم حدیث میں بڑی غیر معمولی خدمات ہیں۔ یہ روایت علماء فرنگی محلی کی ہے۔ لکھنؤ میں ایک بہت بڑا مکان تھا' ایک حویلی تھی جو جہانگیر نے انگریز تاجروں کو دی تھی۔ انگریز تاجر جہانگیر کے زمانے میں آئے تھے' انہوں نے تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت مانگی۔ جہانگیر نے ان کو وہ تجارتی کوٹھی دے دی۔ ہندوستان میں جہاں جہاں انگریزوں نے اپنے مراکز قائم کئے ان میں سے ایک لکھنؤ میں بھی تھا۔ وہ حویلی فرنگی محل کہلاتی تھی کیونکہ فرنگی وہاں رہا کرتے تھے۔ جب ان کی سازشیں اور حرکتیں برداشت کی حدوں سے باہر ہو گئیں تو اورنگزیب عالمگیر نے ان کے خلاف ایکشن لیا۔ ان کو وہاں سے نکال دیا۔ وہ فرنگی محل کی عمارت ان سے خالی کرا دی اور ملا نظام الدین سہالوی ایک عالم تھے' ان کو دے دی کہ اس میں کوئی دینی ادارہ قائم کر دیں۔ اس طرح فرنگی محل میں ایک دینی ادارہ قائم ہو گیا اور

جتنے بھی علماء وہاں کے فارغ التحصیل ہیں، وہ فرنگی محلی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں کئی علماء پیدا ہوئے جن میں ایک بہت نمایاں نام مولانا عبدالحئی لکھنوی کا ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی علم حدیث پر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ویسے تو کئی کتابیں قابل ذکر ہیں لیکن علم حدیث پر اس وقت ان کی دو کتابیں میرے ذہن میں آ رہی ہیں: ایک موطا امام محمد کی شرح ہے "التعلیق الممجد علی موطا امام محمد" اور دوسری کتاب علم جرح و تعدیل پر ہے جو جرح و تعدیل پر چند بہترین کتابوں میں سے ایک ہے "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل"۔ یہ ہندوستان، پاکستان، بیروت، شام، دمشق، حلب، قاہرہ اور دوسری کئی جگہوں سے چھپ چکی ہے اور بہت مشہور کتاب ہے۔ ان کے علاوہ بھی فرنگی محل کے علماء میں سے کئی ایک ہیں جنہوں نے علم حدیث پر بہت کام کیا۔

نواب صدیق حسن خان:

ایک اور بزرگ جن کا تذکرہ ضروری ہے، وسطی ہندوستان کے شہر بھوپال کے رہنے والے تھے۔ بنیادی طور پر وہ حدیث اور فقہ کے عالم تھے، تذکرہ اور رجال ان کا مضمون تھا۔ ان کا نام صدیق حسن خان تھا۔ ان کی شادی بیگم بھوپال سے ہوئی تھی جو بیوہ تھیں چونکہ بیگم بھوپال نے ان سے نکاح کر لیا تھا اس وجہ سے ان کو نواب کا لقب ملا اور نواب صدیق حسن خان کہلانے لگے۔ اصل حکمرانی ان کی بیگم کی تھی لیکن چونکہ وہ ملکہ بھوپال کے شوہر تھے اس لئے ان کو بہت وسائل حاصل ہو گئے تھے۔ ان وسائل سے کام لے کر انہوں نے ایک بہت بڑا تحقیقی ادارہ قائم کیا۔ خود بھی کئی کتابیں لکھیں اور اپنی نگرانی میں اور بھی بہت سی کتابیں لکھوائیں۔ ان میں علوم حدیث پر درجنوں کتابیں شامل ہیں۔ درجنوں کتابیں سرکاری اہتمام سے شائع ہوئیں اور پورے ہندوستان میں تقسیم ہوئیں۔ علم حدیث کو ان کی کوششوں سے ایک نیا فروغ ملا جو برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ میں ایک نمایاں باب ہے۔

بھوپال میں علم حدیث کو ان کی وجہ سے جو عروج حاصل ہوا اس کے اثرات طویل عرصہ تک محسوس کئے گئے۔ انہوں نے عرب دنیا سے ایک بڑے محدث علامہ علی بن محسن الیمانی کو بھوپال بلایا۔ یہ بزرگ علامہ شوکانی کے ایک واسطے سے شاگرد تھے۔ امام شوکانی ایک بہت مشہور محدث تھے اور اتنے بڑے محدث تھے کہ ان کو یمن کا آخری بڑا محدث کہا جاتا ہے۔ یہ علامہ علی بن محسن ایک واسطہ سے ان کے شاگرد تھے۔ وہ بھوپال میں آئے اور پھر طویل عرصہ تک یہاں رہے۔ ان کی اولاد پھر نسل در نسل بھوپال میں حدیث کا درس دیتی رہی اور علماء نے بڑے پیمانے پر ان سے کسب فیض کیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث پڑھانے والے کئی بڑے بڑے علماء ان کے براہ راست اور بالواسطہ شاگرد رہے جن میں سے ایک بڑا نمایاں نام مولانا

حیدر حسن خان کا تھا۔ ندوۃ العلماء میں حدیث پڑھانے والے اکثر و بیشتر علماء انہی مولانا حیدر حسن خان کے شاگرد تھے۔

دائرۃ المعارف عثمانیہ:

یہ برصغیر میں خدمات حدیث کا ایک انتہائی مختصر ترین جائزہ ہے۔ اس میں مناسب ہوگا کہ اگر ایک ادارہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ اگرچہ یہ ایک سرکاری ادارہ تھا لیکن اس نے علم حدیث پر بڑا کام کیا۔ یہ حیدرآباد دکن میں قائم ہوا تھا جس کا نام تھا دائرۃ المعارف عثمانیہ' سلطنت آصفیہ جو حیدرآباد میں قائم تھی اور اس کے فرمانروا میر عثمانی علی خان نے ایک ادارہ دائرۃ المعارف عثمانیہ کے نام سے قائم کیا تھا۔ اس میں علم حدیث پر کئی درجن کتابیں شائع ہوئیں جو دنیا کے سامنے پہلی مرتبہ اس ادارہ کی مدد سے سامنے آئیں۔ میرے پاس وہ مکمل فہرست موجود نہیں ہے جس میں اس ادارہ سے قائع ہونے والی ان کتابوں کا تذکرہ ہو جن کا تعلق علم حدیث سے ہے لیکن میرے ذاتی مطالعہ یا علم میں جو کتابیں آئیں' ان میں سے کئی کتابیں بڑی اہم ہیں۔ "الکفایہ فی علم الروایۃ" جو خطیب بغدادی کی بہت مشہور کتاب ہے' پہلی بار اسی ادارہ کے ذریعے دنیا کے سامنے آئی۔ لسان المیزان اور تہذیب التھذیب جو علم رجال پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی انتہائی مشہور اور مستند کتابیں ہیں' پہلی بار اسی ادارہ نے شائع کیں۔ الموتلف والمختلف حافظ ابن ماکولا کی ایک بڑی جامع کتاب ہے۔ الموتلف والمختلف رجال کی وہ کتاب ہے جس میں ملتے جلتے ناموں کو جمع کیا گیا ہے تاکہ ایک جیسے ناموں والے راویوں میں التباس نہ ہو۔ یہ کئی جلدوں میں ہے اور پہلی بار دائرۃ المعارف سے شائع ہوئی ہے۔

اسی طرح سے کتب حدیث کے رجال پر الگ الگ کتابیں تھیں۔ رجال بخاری پر الگ' رجال مسلم پر الگ' پھر بعد میں لوگوں نے مختلف کتابوں پر رجالوں میں مشترک رجال پر کتابیں لکھیں تو اس طرح کی ایک کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مشترک رجال پر تھی:

"کتاب الجمع بین کتابی ابی نصر الکلاباذی و ابی بکر الاصفھانی فی رجال البخاری و مسلم"

یہ پہلی مرتبہ وہاں سے شائع ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ علم حدیث پر کم و بیش پچیس تیس کتابیں پہلی مرتبہ دائرۃ المعارف عثمانیہ سے شائع ہوئیں اور پوری دنیا میں تقسیم ہوئیں۔ گویا دنیا میں ان کتب کے اثرات اس ادارہ کے ذریعے پہنچے اس لئے اس ادارہ کو بھی علم حدیث کی تاریخ میں یاد رکھنا چاہئے۔

یہ مختصر ترین جائزہ ہے علم حدیث کے اس کام کا جو برصغیر میں ہوا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ علم حدیث کے دور نو کا آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ہوا جو آج تک چل رہا ہے اور

جتنے بھی تلامذہ حدیث' اساتذہ حدیث یا علماء حدیث برصغیر میں آج نظر آتے ہیں' وہ سب مختلف واسطوں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک بات یہ کہ اُمت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر کیسے جمع کیا جائے اور لوگوں میں عدم وحدت کے رجحان کو کیسے ختم کیا جائے۔ یہ ان کی اوّلین کوشش ہوا کرتی تھی۔ ان کی دوسری کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ ان مسلکی اختلافات کو اور مسلمانوں میں جو متنوع آراء ہیں ان کو حدیث نبوی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے اور کس طرح سے علم حدیث کو عام کیا جائے کہ اختلافات حدود کے اندر آ جائیں۔

اس لئے حدیث کے تمام طلبہ کو چاہئے کہ شاہ ولی اللہؒ کی کتابیں اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ خاص طور پر ان کی کتاب ''حجتہ اللہ البالغہ''۔ ''حجتہ اللہ البالغہ'' کے دو حصے ہیں' ایک حصہ شروع کا ہے جو نسبتاً مشکل ہے' اس کو بھی پڑھنا چاہئے لیکن اگر وہ نہ پڑھ سکیں تو اس مشکل حصہ کو چھوڑ کر بقیہ حصہ جو سارے کا سارا علم حدیث پر مشتمل ہے اور علم حدیث سے نکالے گئے دروس اور حکمتوں پر مبنی ہے' وہ حدیث کے تمام طلبہ کو پڑھنا چاہئے۔ اس سے وہ رجحان جسے آپ Accomodative Tendency کہہ سکتے ہیں یعنی سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا رجحان شاہ ولی اللہؒ کی اس کتاب کے مطالعہ سے خودبخود پرورش پاتا ہے اور یہی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تمام کوششوں اور کاوشوں کا مقصود تھا۔



برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث کی تاریخ اور اسباب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی وحی کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ نے آئندہ زمانے کے مختلف فتنوں اور حوادث کا ذکر فرمایا جس کی تفصیل مختلف احادیث میں موجود ہے۔ انکار حدیث کے فتنے کے بارے میں بھی حضور اکرم ﷺ نے مطلع فرما دیا تھا جیسا کہ آپ ﷺ کے درج ذیل فرمان سے واضح ہے:

"لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته، يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه، فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه."(1)

"میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات میں سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔"

حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی چنانچہ دوسری صدی ہجری اور تیرہویں صدی ہجری میں انکار حدیث کے فتنے اُٹھے۔ مؤخر الذکر فتنے کا مرکز برصغیر ہندو پاکستان ہے۔ یہاں کے منکرین حدیث میں سے بعض نے اپنے آپ کو علی الاعلان "اہل قرآن" بھی کہلوایا جن میں زیادہ مشہور عبداللہ چکڑالوی تھا۔ ان صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ اس کی انکار حدیث کی کیفیت کو مولانا صادق سیالکوٹی مرحومؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"غور فرمایا آپ نے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان کتنا حرف بحرف صحیح نکلا ہے بلکہ معجزہ ثابت ہوا ہے کہ عبداللہ چکڑالوی نے 'اریکہ' یعنی تخت پوش پر بیٹھ کر (پلنگ پر بیٹھ کر) تکیہ لگائے ہوئے کہا ہے: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه (میں نہیں جانتا حدیث کو، حدیث دین کی چیز نہیں ہے۔ میں تو صرف قرآن پر ہی چلوں گا)۔"

فتنۂ انکار حدیث، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کا مصداق ہونے کے علاوہ حجیت حدیث کی دلیل اور اہل ایمان کے لئے حدیث پر مزید یقین کا سبب بھی بنا۔

خوارج اور معتزلہ کا انکارِ حدیث:

پہلی صدی ہجری تک قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی ﷺ کو متفقہ طور پر حجت شرعی تسلیم کیا جاتا رہا۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ہوا

اس فتنہ کی ابتداء کرنے والے خوارج اور معتزلہ تھے۔ حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

''اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔''(3)

محمد نجم الغنی ''معتزلہ'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصریؒ کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو کہتی ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مؤمن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے، درمیان منزل ایمان وکفر کے تو انہوں نے کہا: ھؤلاء اعتزلوا یعنی یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے اجماع اسلام سے، تب وہ فرقہ 'معتزلہ'' کہلانے لگا......''(4)

'خوارج' انکار حدیث کے فتنہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن سے ملے گی۔ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی خوارج کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے 'خوارج اور انکارِ حدیث' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''انکار حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی، اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے اور اسی انکارِ حدیث کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بناء پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔''(5)

امام ابن حزمؒ خوارج اور معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جا سکتی ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔''(6)

خوارج کی طرف سے انکارِ حدیث کی وجہ ان کے انتہا پسندانہ نظریات اور مقاصد تھے جو سنت رسول ﷺ کی موجودگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتے تھے جبکہ معتزلہ نے یونانی فلسفوں سے متاثر ہو کر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور اسلام کے احکامات کو عقلی تقاضوں کے مطابق بنانے کی

کوشش کی مگر اس رستے میں رسول اکرم ﷺ کی سنت حائل تھی چنانچہ انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ خوارج اور معتزلہ کے اغراض و مقاصد اور ان کی ٹیکنیک بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''ان دونوں فتنوں کی غرض اور ان کی ٹیکنیک مشترک تھی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قومی و عملی تشریح و توضیح سے اور اس نظام فکر و عمل سے جو خدا کے پیغمبر ﷺ نے اپنی رہنمائی میں قائم کر دیا تھا' الگ کر کے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے اور پھر اس کی من مانی تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا ڈالا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔ اس غرض کے لئے جو ٹیکنیک انہوں نے اختیار کی اس کے دو حربے تھے: ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اصولی سوال اُٹھا دیا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضور ﷺ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت و اتباع کے پابند کب ہیں؟ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا اس کے بعد محمد ﷺ بن عبداللہ ہی ایک انسان تھے جیسے ہم ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا' وہ ہمارے لئے حجت کیسے ہو سکتا ہے؟''(7)

خوارج اور معتزلہ کے فتنے زیادہ وقت نہ چل سکے اور تیسری صدی کے بعد تو مکمل طور پر مٹ گئے۔ ان فتنوں کے زوال کے مختلف اسباب تھے جن میں ایک اہم سبب یہ تھا کہ فتنہ کی تردید میں وسیع تحقیقی کام کیا گیا۔ امام شافعیؒ نے 'الرسالہ' اور 'کتاب الام' میں اس فتنہ کا ردّ پیش کیا...... امام احمدؒ نے مستقل ایک جز تصنیف کیا جس میں اطاعت رسول ﷺ کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں منکرین حدیث کے نظریات کی تردید کی گئی...... حافظ ابن قیمؒ نے 'اعلام الموقعین' میں اس کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے...... بعدازاں امام غزالیؒ نے 'المستصفیٰ'...... ابن حزمؒ نے 'الاحکام' اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے 'الروض الباسم' میں اس فتنہ کے ردّ میں دلائل دیئے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد صدیوں تک اسلامی دنیا میں کہیں بھی انکار حدیث کی کوئی تحریک نہیں اُٹھی اور یہ فتنہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں انکارِ حدیث کا فتنہ دوبارہ اُٹھا۔ انکارِ حدیث کے پہلے فتنے کا مرکز عراق تھا جبکہ تیرہویں صدی ہجری میں اس فتنے نے برصغیر پاکستان و ہندوستان میں سر اُٹھایا۔

فتنہ انکارِ حدیث کا برصغیر میں آغاز:

تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں برصغیر میں انکار حدیث کی ابتداء کن لوگوں نے کی؟ منکرین حدیث کے مشہور سلسلے کون کون سے ہیں؟ نیز فتنہ انکارِ حدیث کو کن لوگوں نے فروغ دیا؟ اس سلسلے میں محققین علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض کی آراء ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

مولانا ثناء اللہ امرتسری...... جو حجیت حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں...... ہندوستان میں انکار حدیث کی آواز اُٹھانے والوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اُٹھائی۔ ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا بلکہ سرسید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے کیونکہ سرسید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت واحترام کرتے تھے۔ واقعات نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے۔ برخلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی حدیث نبوی ﷺ کو 'لہو الحدیث' سے موسوم کیا کرتا۔''(8)

فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ مولانا محمد تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں:

''یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی لیکن انہوں نے انکار حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی' اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعہ سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا' معجزات کا انکار کیا گیا' پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سند جواز دی گئی۔ ان کے بعد نظریۂ انکار حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا اور یہ ایک فرقہ کا بانی تھا' جو اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتا تھا۔ اس کا مقصد حدیث سے کلیتًا انکار کرنا تھا' اس کے بعد جیراج پوری

نے اہل قرآن سے ہٹ کر اس نظریہ کو اور آگ بڑھایا' یہاں تک کہ پرویز غلام احمد نے اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے منظم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دے دی۔ نوجوانوں کے لئے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی' اس لئے اس کے زمانہ میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔''(9)

برصغیر میں منکرین حدیث کے سلسلوں کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''اس طرح فنا کے گھاٹ اُتر کر یہ انکار سنت کا فتنہ کئی صدیوں تک اپنی شمشان بھومی میں پڑا رہا یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پھر جی اُٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا' اب دوسرا جنم اس نے ہندوستان میں لیا۔ یہاں اس کی ابتداء کرنے والے سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علمبردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین اُمرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا' پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے اور آخرکار اس کی ریاست چوہدری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہاء تک پہنچا دیا ہے۔''(10)

برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث کی ابتداء کس نے کی؟

درج بالا آراء کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کو سرسید احمد خان' مولوی چراغ علی' مولوی عبداللہ چکڑالوی' مولوی احمد الدین امرتسری' حافظ اسلم جیراج پوری اور چوہدری غلام احمد پرویز نے فروغ دیا اور اس کی ابتداء سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے کی لیکن بعض محققین کے نزدیک برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے بانی عبداللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیت حدیث کا کھلا انکار کیا۔

جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ فتنہ انکار حدیث کے بارے میں حضور پاک ﷺ کا فرمان اور پیشین گوئی عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتی ہے جیسا کہ اس کے انکار حدیث کی کیفیت محمد صادق سیالکوٹی کی زبانی پیچھے گزر چکی ہے۔ اس بارے میں مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

''عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکار حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانان عالم کے قلوب کو مجروح کیا مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی

ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقان شمع رسالت ﷺ کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ 'طلوع اسلام' اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمر بستہ ہیں۔''(11)

عبدالقیوم ندوی اپنی رائے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''حجیت حدیث کا کھلا انکار مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے کیا۔ اس سے پہلے صراحتاً انکار ملحدین اور زنادقہ سے بھی نہ ہو سکا۔''(12)

حکیم نور الدین اجمیری اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں فتنہ 'انکار حدیث' کی خشت اوّل عبداللہ چکڑالوی نے رکھی تھی اور اسی بنیاد پر مولانا اسلم جیراج پوری اور جناب پرویز جیسے اہل قلم ایک قلعہ تیار کر رہے ہیں۔''(13)

'حدیث کا کھلا انکار' چودھویں صدی میں' کے عنوان کے تحت مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

''مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم سنت کی کھلی مخالفت کی۔''(14)

منکرین حدیث کے تعارف اور فتنہ انکار حدیث کی ابتداء کے بارے میں پیش کی گئی مختلف آراء کے تجزیہ سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے کہ سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے انکار حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش نہیں کیا بلکہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف دیکھی' اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ مزید یہ کہ بعض مقامات پر اپنے لئے مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کرتے رہے۔ خود سرسید احمد خان حدیث کی عزت و احترام بھی کرتے تھے اور واقعات نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے۔ انہوں نے تمام احادیث کی صحت کا انکار نہیں کیا البتہ احادیث کی صحت کے بارے میں ان کا اپنا ایک خود ساختہ معیار ہے' چنانچہ سرسید لکھتے ہیں:

''جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! یہ محض میری نسبت غلط اتہام ہے۔ میں خود بیسویں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں' استدلال کرتا ہوں۔''(15)

محققین علماء کرام کی مذکورہ آراء کے مطابق عبداللہ چکڑالوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے برصغیر میں کھل کر حدیث کا انکار کیا اور فرقہ 'اہل قرآن' کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کے بعد [illegible] کے فتنے کا بیڑا اٹھایا اور حافظ اسلم جیراج پوری نے

اس نظریہ کو مزید آگے بڑھایا۔ آخر میں غلام احمد پرویز نے انکار حدیث کو ایک منظم نظریہ اور مکتب فکر کی صورت میں پیش کیا۔

برصغیر میں انکار حدیث کے علمبرداروں میں مولوی محب الحق عظیم آبادی، تمنا عمادی، قمر الدین قمر، نیاز فتح پوری، سید مقبول احمد، علامہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدابخش، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی بھی شامل ہیں۔(16) ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی انکار حدیث کے مرتکب ہوئے مگر بعدازاں انہوں نے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ تاریخ حدیث پر ایک مدلل کتاب بھی تالیف کی۔(17)

انکار حدیث...... دین سے انحراف کی روش:

دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث اور تیرہویں صدی ہجری کے منکرین حدیث کے انکار حدیث کے سلسلے میں اغراض و مقاصد، حدیث کے بارے میں شبہات و اعتراضات اور انکار حدیث پر مبنی دلائل مختلف ہیں۔ شاید قدیم منکرین حدیث، دین سے مکمل آزادی نہیں چاہتے تھے لیکن برصغیر کے منکرین حدیث کی تحریروں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ان کے انکار حدیث کے مؤقف کے پس پردہ وہ عزائم ہیں جن سے ان کا مقصود الحاد و لادینیت کا فروغ اور دین سے چھٹکارا اور آزادی حاصل کرنا ہے، ان کے ناپاک عزائم پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

> ''دشمنان رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف انکار حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیھم ما علیھم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقات خمسہ، تعداد رکعات، فرائض و واجبات کی تفاصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع و شرا، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین، ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے، قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔''(18)

مولانا عبدالجبار عمر پوری نے 'حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں شبہات اور ان کا ازالہ'' کے عنوان کے تحت برصغیر کے منکرین حدیث کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال حیرت کے لائق نہیں کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول اللہ ﷺ سے منحرف اور ضروریات دین سے برگشتہ ہیں لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو

صحیح و راست کہتے ہیں اور باایں ہمہ اسلام کے اجزاء و ارکان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔"(19)

انکار حدیث صرف یہ نہیں کہ حدیث کو حجت شرعی اور شریعت اسلامیہ کا ماخذ ماننے سے انکار کیا جائے بلکہ احادیث کو مشکوک بنانا' اسلاف کی روش سے ہٹ کر اپنی خواہش نفس سے احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا' مستند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور حدیث کے معانی و مفاہیم کی غلط تاویلیں پیش کرنا بھی انکار حدیث کی مختلف صورتیں ہیں۔ برصغیر کے منکرین حدیث نے حدیث کے بارے میں جو شبہات و اعتراضات پیش کئے ہیں' ان میں انکار حدیث کی مندرجہ بالا صورتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ انکار حدیث کے فتنہ کے یہ علمبردار حدیث کو مشکوک بنانے اور اس سے دامن چھڑانے کے لئے اس قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں کہ احادیث' رسول اللہ ﷺ کے دو ڈھائی سو سال بعد تحریری شکل میں مرتب ہوئیں' اس لئے قابل اعتبار نہیں ہیں۔ احادیث باہم معارض ہیں' رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرما دیا تھا' اکثر حدیثیں خبر واحد کے درجہ کی ہیں' قرآن مجید جو جامع اور کامل کتاب ہے' اس کی موجودگی میں حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اور اگر حدیث حجت شرعی ہوتی تو حضور ﷺ احادیث کو اسی اہتمام سے لکھواتے جس اہتمام سے آپ ﷺ نے قرآن مجید لکھوایا تھا' وغیرہ۔

حدیث رسول ﷺ کے بارے میں منکرین حدیث نے اپنے مذکورہ بے بنیاد اور من گھڑت شبہات کو ثابت کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا بہت بڑا دفتر کھولا(20) اور اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف ہو گئے مگر تیرہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں انکار حدیث کے اس فتنے کے اُٹھتے ہی اس خطے کے جید علماء کرام اور محققین اسلام اس فتنہ کے مضمرات کو بھانپ گئے لہٰذا ان کو اس کے انسداد کی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اس بارے میں علماء کرام کی فکرمندی کا اندازہ شاہ محمد عزالدین میاں پھلواروی کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

"انکار حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُمڈا چلا آتا ہے' وہ کس طرح خرمن دین و ایمان پر بجلیاں گرا رہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دنیا کے سامنے حدیث رسول کریم ﷺ کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔"(21)

چنانچہ دیگر فتنوں کی طرح انکار حدیث کے فتنہ کے خلاف برصغیر کے علماء کرام نے بیسیوں کتب لکھیں جن میں نہ صرف حجیت حدیث کو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا بلکہ منکرین حدیث کے شبہات و اعتراضات کا مضبوط دلائل کے ساتھ رد پیش کیا گیا۔ مختلف دینی رسائل و جرائد نے اس فتنہ کے خلاف خصوصی نمبر شائع کئے' تحریری مواد کے علاوہ منکرین حدیث کے ساتھ علمی مناظرے بھی کئے گئے اور دینی اجتماعات میں بھی عوام الناس کو فتنہ انکار

حدیث کے عواقب و مضمرات سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ تحریری و تقریری کاوشوں نے منکرین حدیث کی کمر توڑ دی۔

انکار حدیث کے اسباب

صاحبان فکر ونظر کے لئے اس امر کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس جدید انکار حدیث کی وجوہات کیا تھیں؛ برصغیر میں اس فتنے کے اُٹھنے کے اسباب داخلی بھی تھے اور خارجی بھی...... جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

انکار حدیث کے داخلی اسباب

1- خواہشات نفس کی پیروی:

دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمان کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آزاد اور خودمختار نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآن و حدیث کے احکامات کا پابند ہے۔ یہ پابندی طبیعت میں آزادی رکھنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں پر گراں گزرتی ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ جو قرآن مجید کے اصول اور کلیات کی تفصیل ہیں، قدم قدم پر خواہشات نفسانیہ کی پیروی میں رکاوٹ ہیں۔ نیز ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے جبکہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو 'مسلمان' بھی کہلانا چاہتے ہیں اور ان پابندیوں سے آزادی کے طلب گار بھی ہیں لہٰذا احادیث کا انکار کر دیا گیا اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن حکیم کو مانتے رہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی 'انکار حدیث کی اصل وجہ' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> ''انکار حدیث کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث ہم تک معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچی بلکہ انکار حدیث کی اصل وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں آزادی ہے، یہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔ نفس یورپ کی تہذیب اور تمدن پر عاشق اور فریفتہ ہے اور انبیاء و مرسلین کے تمدن سے نفور اور بیزار ہے کیونکہ شریعت غراء اور ملت بیضاء اور احادیث نبویہ ﷺ اور سنن مصطفویہ ﷺ قدم قدم پر شہوات نفس میں مزاحم ہیں۔
>
> حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اوّلین مقصد نفسانی خواہشوں کا کچلنا اور پامال کرنا تھا۔ اس لئے کہ شہوتوں کو آزادی دینے سے دین اور دنیا دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے منکرین حدیث نے ان دو متضاد راہوں

میں تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی' وہ یہ کہ حدیث کا تو انکار کر دیا جائے جو ہماری آزادی میں سدراہ ہے اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن کریم کا اقرار کر لیا جائے کیونکہ قرآن کریم ایک اصولی اور قانونی کتاب ہے۔ اس کی حیثیت ایک دستور اساسی کی ہے کہ جو زیادہ تر اصول وکلیات پر مشتمل ہے جس میں ایجاز اور اجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہے اور احادیث نبویہ ﷺ اور اقوال صحابہؓ میں ان اصول اور کلیات کی شرح اور تفصیل ہے' اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے اس گروہ نے حدیث نبوی ﷺ کا تو انکار کر دیا اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن کریم کو مان لیا اور اس کے مجملات اور موجز کلمات میں ایسی من مانی تاویلیں کیں کہ جس سے ان کے اسلام اور یورپ کے کفر اور الحاد میں کوئی منافات ہی نہ رہی۔" وذلک غایة و نھایة طربھم[22]

خواہشات کی پیروی حدیث کی مخالفت کا ایک بنیادی سبب ہے' اس حقیقت کو مولانا محمد سرفراز یوں بیان کرتے ہیں:

"اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہ لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب وتمدن کے عادلانہ نظام کو یکسر توڑنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی تشریح ہے اور تعینات کی حدود میں' اپنی اہوا اور خواہشات کی پیروی کے لئے وہ قطعاً کوئی گنجائش نہیں پاتے لہٰذا انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز ہی کو اصل سے مٹا دیا جائے جو مکمل طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی تشریح اور حد بندی کرتی ہے تاکہ وہ آزاد ہو جائیں اور اسلام کے ڈھانچے پر جس قدر اور جس طرح چاہیں' گوشت پوست چڑھائیں اور جس طرح چاہیں اپنے خود ساختہ اسلام کی شکل بنا لیں۔"[23]

ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا محمد عاشق الٰہی رقمطراز ہیں:

"قرآن حکیم میں اوامر ونواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دے دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش ہیں' اعمال کی بندش میں آنے کو تیار نہیں' ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لئے تیار نہیں لہٰذا یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں چونکہ قرآن مجید میں احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اس لئے آزادی کا راستہ نکالنے کے لئے بار بار

یوں کہتے ہیں کہ فلاں بات قرآن میں دکھاؤ۔"(24)

2- کم علمی اور جہالت:

برصغیر کے منکرین حدیث کے لٹریچر کے مطالعہ اور حدیث کے بارے میں ان کے خودساختہ اور من گھڑت شبہات اور اعتراضات کو دیکھ کر اس چیز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ تو علم حدیث پر عبور رکھتے ہیں اور نہ ہی علوم قرآنی کی گہرائیوں سے واقف ہیں چونکہ قرآن وسنت اور ان کے مستند مآخذ تک منکرین حدیث کی رسائی نہیں لہٰذا ان کی توجیہ بھی ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ منکرین حدیث کا نامکمل مطالعہ اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"جہاں تک میں نے معترضین حدیث کی مشکلات کا اندازہ لگایا ہے' میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتب حدیث تک محدود ہوتا ہے۔ وہ ان اصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہے' وہ فرض ہے' سنت ہے' جائز ہے یا مباح ہے بلکہ انہوں نے تو احکام کے اس فرق کو جاننے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی اور پھر بے چارے وہم وگمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور اس طرح اپنے خود ساختہ اوہام میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔"(25)

مولانا محمد قطب الدین انکار حدیث کے اسباب کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں:

"انکار حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں' وہ علم حدیث پر بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع و اقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید وتحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں۔ ان میں تطبیق آیات و احادیث کا فن بھی مفقود ہے جس کے لئے مسلسل اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر احادیث نبوی ﷺ کی صحیح عظمت و افادیت واضح نہیں ہوسکتی۔"(26)

منکرین حدیث کی جہالت اور اس کی بنیاد پر انکار حدیث کو بیان کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رقمطراز ہیں:

"انکار حدیث احساس کمتری کی پیداوار ہے جس نے گریز پائی کی

صورت اختیار کر لی ہے۔ جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو
چونکہ یہ قرآن و سنت اور اس کے مستند مآخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ
سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے' اس لئے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں جس کی
صورت یہی ہو سکتی ہے کہ نصوص کا انکار کر دیں اور احادیث کے متعلق تو وہ
ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔''[27]

3- عقل کو معیار بنانا:

تاریخ اسلام اس چیز کی گواہ ہے کہ جب بھی اسلام میں کسی فرقہ یا گروہ نے اپنے عقائد ونظریات کو داخل کرنا چاہا تو عقل کا سہارا لیا اور عقل کی برتری کو منوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے انکار حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور راہ راست سے بھٹک گئے۔ برصغیر میں انکار حدیث کے دیگر اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث نے بعض ایسے امور میں عقل کا فیصلہ مانا جہاں عقل عاجز ہے مثلاً جو حدیث عقل میں نہ آئی' اس کو ماننے سے انکار کر دیا حالانکہ انسانی عقل وحی کی محتاج ہے اور اسے قدم قدم پر رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ عقل کی بنیاد پر حدیث کو قبول نہ کرنے کے معیار اور عقل کی بے بسی کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد ادریس فاروقی لکھتے ہیں:

''بعض حضرات نے تو حدیث کے ٹھکرانے اور نا قبول کرنے کا معیار اپنی عقل' مشاہدہ اور فکر کو قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو' سند کتنی مضبوط ہو' رواۃ کتنے بے عیب ہوں۔ پوری اُمت نے قبول کیا ہو' ان کی بلا سے' انہیں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے کامل نبی ﷺ کو اپنی ناقص عقل سے کمتر مقام دیا جو کہ افسوسناک بلکہ خطرناک ہے۔ عام طور پر ہمارے انگریزی خواں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اصول کو قبول فرما لیتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئے' اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ عقل تو خام ہے' پھر عقل میں تفاوت ہے' سب کی عقل ایک جیسی نہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر مادیت کا غلبہ ہے اور اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود و قیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر ناآشنا ہے۔ خود فرمائیے مطلق عقل اور پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کر سکتی ہے؟''[28]

4- دنیاوی اغراض و مقاصد کا حصول:

انکار حدیث کی ایک وجہ اغراض و مقاصد کا حصول بھی ہے جن کی خاطر جان بوجھ کر

منکرین حدیث اس گمراہی کے مرتکب ہوئے چنانچہ مولانا محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

"منکرین حدیث اور ان کے پیشوا علماء یہود کی مانند محض دنیوی اغراض و مفادات کے لئے دیدہ و دانستہ 'کتمان حق' بھی کرتے ہیں اور 'التباس حق و باطل' بھی۔"(29)

پروفیسر محمد فرمان نے انکار حدیث کی مختلف وجوہات کا احاطہ درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ و منصب کے لئے حدیث کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی محبوب کا اشارہ پا کر یہ تحریک شروع کر رکھی ہے بعضوں نے کم علمی اور اسلام کے سطحی مطالعہ کی بنیاد پر یہ روش پسند کر لی ہے۔"(30)

انکارِ حدیث کے خارجی اسباب

1- برطانوی سامراج کی سازش:

ہندوستان پر انگریز حکومت کی مکمل عملداری اور 1857ء کی جنگ آزادی میں کامیابی کے بعد انگریز، مسلمانوں کو اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے لگے کیونکہ انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اور انہیں ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ رہتا تھا۔ مزید برآں جنگ آزادی میں مسلمانوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا تھا لہٰذا وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں کچلنا چاہتے تھے لیکن ان کے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ مکمل وابستگی اور آپس کا اتحاد تھا چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لئے مختلف سازشیں شروع کر دیں مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کئے۔ ان فتنوں میں انکار ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ان فتنوں کی مکمل پشت پناہی کی۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری لکھتے ہیں:

"انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے افراد بنائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں۔ اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں

لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیات قرآنیہ کی تحریف کی۔ بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگریاں لینے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ گمراہی، الحاد، زندیقیت لے کر آئے۔ مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کر دیا۔ اسلام پر اعتراضات کئے جو ان کے نفوس میں اثر کر گئے اور علماء سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مستشرقین سے متاثر ہو کر ایمان کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے سکول اور کالجوں میں الحاد اور زندقہ کی جو تخم ریزی کی تھی، اس کے درخت مضبوط اور بارآور ہو گئے اور ان درختوں کی قلم جہاں لگتی چلی گئی، وہیں ملحدین اور زندیق پیدا ہوتے چلے گئے۔''(31)

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازشوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے، فتنۂ انکار حدیث ان سازشوں کی ایک اہم کڑی تھی چنانچہ ہندوستان میں فتنۂ انکار حدیث کے اسباب اور اثرات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''تیرہویں صدی میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جبکہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے۔ ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا چکی تھی، ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور ان کو معاشی حیثیت سے بُری طرح کچل ڈالا گیا تھا، ان کا نظام تعلیم درہم برہم کر دیا گیا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی و سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔

ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحین کے فلسفہ و سائنس اور ان کے قوانین اور تہذیبی اصولوں سے سابقہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات، جو افکار و تخیلات، جو اصول تہذیب و تمدن اور جو قوانین حیات آ رہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔''(32)

2- مستشرقین کی خوشہ چینی:

مستشرقین نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے حدیث رسولﷺ کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات اور بے بنیاد اعتراضات پیش کر کے حدیث پر مسلمانوں

کے اعتماد کو اُٹھانے کی سرتوڑ کوششیں کیں جس کے اثرات برصغیر کے منکرین حدیث پر بھی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے بارے میں یہاں کے منکرین حدیث کے بڑے بڑے شبہات اور مستشرقین کے شبہات میں مماثلت پائی جاتی ہے جس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں انکار حدیث کا ایک اہم سبب مستشرقین کی حدیث رسول ﷺ کے خلاف علمی فتنہ انگیزیاں ہیں۔ مستشرقین کے فتنۂ انکار حدیث کے محرک ہونے کی دلیل کے لئے پروفیسر عبدالغنی 'منکرین حدیث کے اعتراضات' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں مثلاً حدیث کے متعلق اگر گولڈ زیہر (Gold Ziher)، سپرنگر (Sprenger) اور ڈوزی (Dozy) کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من و عن وہی ہیں جو ان مستشرقین نے کئے ہیں۔''(33)

برصغیر کے فتنہ انکار حدیث میں مستشرقین کے لٹریچر کے اثرات کو مولانا محمد فہیم عثمانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''افسوس تو زیادہ اس بات کا ہے کہ سب کچھ دشمنان اسلام کی پیروی میں ہو رہا ہے۔ مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کی اندھادھند تقلید سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ڈھائی سو برس بعد احادیث کے قلمبند ہونے کی باتیں اور اس طرح حدیث کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کی سکیمیں، یہ رجال حدیث کی ثقاہت پر اعتراضات اور یہ عقلی حیثیت سے احادیث پر شکوک و شبہات کا اظہار، یہ سب کچھ مستشرقین یورپ کی اُتارن ہیں جن کو منکرین حدیث پہن پہن کر اتراتے ہیں۔''(34)

اسی حقیقت کو مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی نے یوں بیان کیا ہے:

''اور عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ و مرجع انہی دشمنان اسلام، مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات و شبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں، وہی اعتراضات و شبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔''(35)

برصغیر پاک و ہند میں انکار حدیث کے فتنے کے اُٹھتے ہی اس خطے کے مسلمانوں میں منکرین حدیث کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ علماء کرام اور محققین اسلام نے منکرین حدیث

کے مبنی بر انکار حدیث اعتراضات کی تردید کے لئے بیسیوں کتب لکھیں، مختلف رسائل میں حجیت حدیث پر مقالے شائع ہوئے۔ قلمی کاوشوں کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں فتنۂ انکار حدیث کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جوں جوں منکرین حدیث آگے بڑھتے گئے اور نئے نئے شبہات لاتے گئے، توں توں حجیت حدیث پر بھی زیادہ وزنی دلائل پیش کئے جاتے رہے۔ منکرین حدیث کے ساتھ مختلف علماء کرام کے علمی مناظرے بھی ہوئے مگر منکرین حدیث نہ صرف اپنے مؤقف پر قائم رہے بلکہ نئے نئے حیلوں بہانوں سے انکار حدیث کے شبہات سامنے لاتے رہے۔ منکرین حدیث نے اپنے مشن کو باقاعدگی اور مقرر پروگرام کے تحت آگے بڑھایا مگر اپنی پوری قوتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود منکرین حدیث انحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ حجیت حدیث پر متعدد کتب لکھے جانے کے باعث منکرین حدیث کو منہ کی کھانی پڑی۔ انہیں معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور حجیت حدیث پر برصغیر کے ادب کے خاطرخواہ نتائج نکلنے لگے۔

حوالہ جات

1- ولی الدین، امام، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنہ
2- صادق سیالکوٹی، محمد، ضرب حدیث، سیالکوٹ، مکتبہ کتاب وسنت، 1961ء، ص 48
3- ابن حزم، امام، ابو محمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز، 1920ء، ج 1، ص 114
4- نجم الغنی، محمد، مذاہب الاسلام، انڈیا لکھنؤ، مطبع منشی نولکشور، 1924ء، ص 101
5- ولی حسن ٹونکی، مفتی، عظیم فتنہ، کراچی 1984ء، ص 22
6- امام ابن حزم، ابو محمد علی احمد، الاحکام فی اصول الاحکام مصر مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز، 1920ء، ج 1، ص 119
7- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ 1963ء، ص 14
8- امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، حجیت حدیث اور اتباع رسول ﷺ، ہندوستان، امرتسری کتب خانہ ثنائیہ، 1929ء، ص 1
9- عثمانی، محمد تقی، مولانا، درس ترمذی، کراچی مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1980ء، ص 26
10- مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلی کیشنز، 1963ء، ص 16
11- رشید احمد، مفتی، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، 1982ء، ص 7
12- ندوی، عبدالقیوم، فہم حدیث، کراچی، ص 138
13- اجمیری، نور الدین، حکیم، مقالہ 'انکار حدیث کی خشت اوّل' ماہنامہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی، حدیث نمبر، 1952ء، ص 147
14- سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، لاہور اسلامک پبلی کیشنز ہاؤس، 1981ء، ص 17
15- پانی پتی، محمد اسماعیل، مقالات سرسید، لاہور مجلس ترقی ادب، ج 13، ص 17
16- انکار حدیث کے ان علمبرداروں کے نام درج ذیل وہ کتب سے ماخوذ ہیں:
i- کیلانی، عبدالرحمٰن، آئینہ پرویزیت، لاہور مکتبہ السلام، 1987ء، ص 101
ii- محمد فرمان، پروفیسر، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات، 1964ء، ص 178-179
17- برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، تاریخ حدیث، لاہور مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، 1988ء
18- رشید احمد، مفتی، مولانا، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، 1403ھ، ص 10

-19 عبدالغفار حسن' مولنا' عظمت حدیث' مقالات مولانا عبدالجبار عمرپوری' اسلام آباد' دارالعلم' 1989ء' ص 49
-20 منکرین حدیث کے مبنی برانکار حدیث لٹریچر کی تفصیل بوجہ طوالت پیش نہیں کی جا سکتی۔ چند کتب کے نام درج کئے جا رہے ہیں مثلاً عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ قرآن بآیات القرآن' غلام احمد پرویز کا رسالہ طلوع اسلام' عبداللہ چکڑالوی کا رسالہ اشاعۃ القرآن اور صلوٰۃ القرآن' سرسید احمد خان کی تصنیف خطبات احمدیہ اور مقالات جیراج پوری وغیرہ۔
-21 پھلواروی' شاہ محمد عزالدین' علوم الحدیث' لاہور' 1935ء' ص 6
-22 محمد ادریس کاندھلوی' حجیت حدیث' لاہور' 1952ء' ص 16
-23 محمد صفدر سرفراز خان' شوق حدیث' حصہ اوّل گوجرانوالہ گکھڑ' انجمن اسلامیہ' 1982ء' ص 9
-24 محمد عاشق الٰہی' مفتی' فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر' لاہور ادارہ اسلامیات' 1986ء' ص 9
-25 ازہری' محمد کرم شاہ' سنت خیرالانام' لاہور' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' 1953ء' ص 179
-26 محمد قطب الدین' مولانا' مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف' لاہور 1966ء' دیباچہ کتاب
-27 سلفی' محمد اسماعیل' مولانا' حجیت حدیث' لاہور' اسلامک پبلی کیشنز ہاؤس' 1981ء' ص 177
-28 فاروقی' محمد ادریس' مقام رسالت' لاہور مسلم پبلی کیشنز' 1970ء' ص 16
-29 محمد قطب الدین' مولانا' مظاہر حق' 1966ء' ج 1' دیباچہ کتاب
-30 محمد فرمان' پروفیسر' انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش' گجرات' مکتبہ مجددیہ نور پور شرقی' 1964ء' ص 209
-31 محمد عاشق الٰہی' مفتی' فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر' لاہور ادارہ اسلامیات' 1986ء' ص 7
-32 مودودی' ابوالاعلیٰ' مولانا' سنت کی آئینی حیثیت' لاہور' اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ' 1963ء' ص 17
-33 قادری' عبدالغنی' پروفیسر' ریاض الحدیث' لاہور' 1969ء' ص 159
-34 فہیم عثمانی' مولانا محمد محترم' حفاظت و حجیت حدیث' لاہور' دارالکتب' 1979ء' ص 13
-35 ٹونکی' ولی حسن' مفتی' عظیم فتنہ' کراچی' اقراء روضۃ الاطفال' ناظم آباد' 1984ء' ص 26



مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث

امام محدث ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمان الشہر زوری المعروف بابن الصلاح ف 643ھ مطابق 1244ء

مقدمہ ابن اصلاح بہت ہی مفید اور جامع کتاب ہے۔ اس کے اندر علوم الحدیث کے پینسٹھ (65) انواع کا ذکر کیا ہے۔ بہت دفعہ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ آخری طباعت ڈاکٹر نور الدین عتر کی تحقیق کے ساتھ 1386ھ مطابق 1966ء چھپی ہے۔ عنوان بالا 65 (علوم) کی تفصیلات یوں ہیں: حدیث صحیح، حسن اور ضعیف کی پہچان اور ان کی تفصیلات ہیں۔

معرفت سند، سند کا متصل ہونا، مرفوع احادیث اور موقوف کی پہچان پر مشتمل ہے۔

مزید عنوانات ہیں: مقطوع، مرسل، منقطع اور معضل اور ان کی پہچان۔ ان کے علاوہ تدلیس اور اس کی اقسام، شاذ اور منکر احادیث کے متعلق تفصیلات دی ہیں۔ پھر متابعات وشواہد اور زیادۃ الثقات کی معرفت پر مشتمل ہے۔ پھر علل الحدیث، مضطرب الحدیث اور مدرج الحدیث کے موضوع پر بحث کی ہے۔

مزید برآں حدیث موضوع اور اس کی اقسام اور پہچان پر مشتمل بحث ہے۔ اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ کن راویوں کی روایت قابل قبول ہے اور کن کی ناقابل قبول۔ اس کے علاوہ سماع الحدیث اور کتابت حدیث کے ابواب ہیں۔

پھر آداب محدث اور آداب طالب الحدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مزید برآں سند عالی و نازل، حدیث مشہور، عزیز، غریب اور ناسخ ومنسوخ کے متعلق مسائل بیان کئے ہیں۔

پھر مختلف الحدیث، مرسل الخفی، معرفۃ صحابہ اور معرفۃ تابعین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ معرفۃ روایۃ الاباء عن الابناء، معرفۃ آسماء و کنی، القاب محدثین، موتلف و مختلف، متفق ومفترق، مبہمات اور تاریخ الرواہ والوفیات کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

مزید برآں اختلاط کے بارے میں، موالی روات کی معرفت اور راویوں کے او کان اور بلدان کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

مقدمہ ابن الصلاح پر بہت سے علماء کرام نے شرحیں لکھیں، ملخص اور منظوم بھی کیا۔ امام نوویؒ نے ''ارشاد'' کے نام پر اختصار کیا پھر اس کو مزید اختصار کیا ''تقریب'' کے نام سے۔ زین الدین عراقی (ف 806ھ) نے اس سے منظوم کیا اور نام رکھا ''نظم الدرا فی علم الاثر'' اور

اس کی دو شروحات بھی ہیں ایک مختصر دوسرا مفصل اور مختصر شرح کا نام ہے "فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث" شرح کرنے والے امام السخاوی (ف 901ھ) تھے۔ یہ شرح بہت ہی مفصل اور مطول ہے۔

بہرحال ''مقدمہ ابن الصلاح'' اس فن میں ایک لاجواب کتاب ہے۔ تمام مباحث علوم حدیث پر مشتمل ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء!



شرح نخبة الفکر کا تعارف

امام ابن حجرؒ (ف 852ھ) نے "نخبة الفکر فی اهل الاثر" کے نام پر ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔ اس کی شرح بھی خود انہوں نے لکھی اس کا نام "نزهة النظر" رکھا۔ اس کتاب کے بارے میں خود امام ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق متقدمین کی متعدد کتابوں کا "عطر" ہے۔ متن اور شرح دونوں کا مجموعہ "شرح نخبة الفکر" کے نام کے ساتھ معروف ہے۔ بے شک یہ کتاب "نخبة" یعنی چنیدہ اور "نزهة" یعنی نگاہ کی تفریح کہلانے کے مستحق ہے۔ یہ کتاب جامع اور مختصر ہے۔ اس کتاب کے اندر اسلوب جدید اور آسان ہے۔ انواع حدیث بیان کرنے اور ان کی مختلف قسموں میں تقسیم کرنے میں ان کا کوئی جواب نہیں۔ گویا کہ مؤلف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

کتاب کے شروع میں خبر اور حدیث کا فرق بیان کیا ہے۔ اس کے بعد متواتر، مشہور، غریب اور آحاد کی تعریف بیان کی ہے۔

اس کے بعد خبر مقبول کی قسموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح لذاته، صحح لغیره، حسن لذاته، حسن لغیره کی تعریف اور مثالیں دی گئی ہیں۔

خبر مقبول کی دوسری قسم میں محکم، مختلف الحدیث، ناسخ ومنسوخ اور متوقف فیہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس کے بعد خبر مردود (ناقابل قبول) کی اقسام کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے مثلاً معلق، مرسل، معضل، منقطع اور مدلس۔

اس کے بعد خبر مردود بلحاظ طعن راوی کی تفصیلات دی ہیں۔ جن میں موضوع، متروک، منکر، معلل، مدرج، مضطرب، محرف اور مجہول کے متعلق تفصیلات دی ہیں۔

تقسیم خبر بحیثیت اسناد:

اس باب کے اندر حدیث مرفوع، موقوف اور مقطوع کی وضاحت کی گئی ہے۔

تتمہ: کے اندر صحابی کی تعریف، تابعی کی تعریف اور مخضرم کی تعریف مذکور ہے۔

بیان اسناد: اس عنوان کے تحت سند عالی، سند نازل، موافقت، بدل، مساوات اور مصافحہ کی تعریف کی گئی ہے۔

بیان روایت کے تحت مدبج، رواية الاکابر عن الاصاغر، روایت لاحق و سابق، دو شیخوں کا ہم نام ہونا اور حدیث مسلسل کی تعریف مع الامثلہ دی گئی ہے۔

الفاظ ادائے حدیث: اس عنوان کے تحت سمعت و حدثنی، اخبرنی، اجازت، وجادہ، اعلام اور اجازت مجہول کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔

راویوں کا بیان: اس عنوان کے تحت متفق ومفترق، موتلف ومختلف متشابہ، وہ اسماء جو تعداد حروف میں برابر ہیں، وہ اسماء جو تعداد حروف میں برابر نہیں اور تقدیم و تاخیر سے اشتباہ پیدا ہونا وغیرہ کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔

خاتمہ: اس عنوان کے تحت فن حدیث کی اہم باتیں، راویوں کے طبقات کا علم، راویوں کی پیدائش کا علم، راویوں کے وطن کا علم، راویوں کے حالات جاننا، مراتب جرح میں امتیاز، مراتب تعدیل میں امتیاز، تزکیہ اور تعدیل و جرح جیسے موضوعات کی وضاحت کی گئی ہے۔

هذا ما عندی وبالله التوفیق!



علوم الحدیث و مصطلحہ

نام کتاب: علوم الحدیث و مصطلحہ
نام مصنف: ڈاکٹر صبحی صالح
مطبع: دارالعلوم ملائین، بیروت
ابواب کی تعداد: 5
تعداد صفحات: 447

پہلے باب کا عنوان ہے: تاریخ الحدیث

یہ باب پانچ فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں حدیث و سنت کی تعریف اور ان دونوں اصطلاحات میں فرق کو ظاہر کیا ہے۔ خبر اور اثر کی تعریف نیز حدیث قدسی کی تعریف بھی کی ہے۔ قرآن اور حدیث قدسی کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔

دوسری فصل میں کتابت حدیث، دور نبوی میں مکتوب صحیفوں کا تعارف، خلفاء راشدین، تابعین، اتباع تابعین اور عصر حاضر تک تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

تیسری فصل میں: حدیث کے لئے اسفار (رحلات) اور اس سلسلہ میں جو بھی آداب ہیں، ان کا تذکرہ ہے۔ تعلیم و تربیت میں محدثین کے آداب کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

چوتھی فصل: محدثین کے القاب، روایۃ باللفظ اور بالمعنی کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ حدیث کے اختصار کرنے اور بعض الفاظ کے حذف کرنے کے بارے میں آداب مذکور ہیں۔ پانچویں فصل میں حدیث کے تحمل (اخذ کرنے) اور آدا (بیان کرنے) کے آداب اور الفاظ کا ذکر ہے مثلاً حدثنا، حدثنی کی اصطلاح، قراءۃ، اجازہ، مناولہ اور مکاتبۃ کا تذکرہ موجود ہے۔

دوسرا باب: علوم الحدیث سے متعلق تصنیفات

پہلی فصل: اس میں علم حدیث روایۃ و درایۃ پر بحث کی ہے۔ علم درایت سے مراد حدیث کی تحقیق ہے۔ متن کی صحت کے بارے میں دیکھنا اور ساتھ ساتھ سند پر تحقیق ہے اور علوم حدیث کی بنیادی مباحث مثلاً علم جرح و تعدیل، علم رجال الحدیث، مختلف الحدیث، علل الحدیث، غریب (مشکل الفاظ) الحدیث اور علم ناسخ و منسوخ الحدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

دوسری فصل: کتب حدیث روایۃ پر بحث کی ہے۔

مراتب اور طبقات کتب حدیث، اہم کتب حدیث کا تعارف، کتب صحاح، صحیح بخاری

میں عدد الحدیث، صحیحین کے درمیان موازنہ، الجوامع کا تعارف، مسانید، معاجم اور اجزاء کے متعلق تعارف پیش کیا ہے۔

تیسرا باب: مصطلح الحدیث

پہلی فصل: اقسام الحدیث پر مشتمل ہے۔ صحیح، حسن اور ضعیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ موضوع حدیث کا تعارف اور ان کی تفصیلات مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

دوسری فصل: الحدیث الصحیح

صحیح حدیث کی تعریف، اقسام، شروط، متواتر اور اس کی شروط اور اقسام اور امام بخاری وہ شخصیت ہیں جنہوں نے صحیح پر مشتمل احادیث کو جمع کیا۔

تیسری فصل: حدیث الحسن...... اس کی تعریف، اقسام اور شروط سیر حاصل بحث کی ہے۔

چوتھی فصل: الحدیث الضعیف...... اس کی تعریف اور اقسام، سند میں انقطاع کی جتنی صورتیں ہیں ان کو ضعیف میں شامل کیا ہے۔ ضعیف کے بھی مراتب ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس فصل میں بہت زیادہ تفصیلات ہیں۔

پانچویں فصل: ان احادیث کا ذکر ہے جو صحیح، حسن اور ضعیف پر مشتمل ہیں۔

چھٹی فصل: موضوع حدیث اور اس کے اسباب، وضع اور علامات پر مشتمل ہے۔ یہ فصل صفحہ 263 سے صفحہ 273 تک ہے۔

ساتویں فصل: حدیث مشکل اور مضمون کے اعتبار سے...... بحث پر مشتمل ہے صفحہ 275 سے 288 تک۔

چوتھا باب: شریعت میں احادیث کی اہمیت اور فقہ اور آداب میں مقام

پہلی فصل: سنت کا تشریعی مقام اور سنت کی استقلالی حیثیت پر مشتمل ہے۔

دوسری فصل: اس میں بتایا گیا ہے کہ حدیث صحیح کا شریعت میں مقام کیا ہے۔

تیسری فصل: علوم ادب پر علم حدیث کے اثر پر مشتمل ہے۔

چوتھی فصل: لغت اور نحو پر بھی حدیث سے دلیل۔

پانچواں باب: راویوں کے طبقات

پانچواں باب راویوں کے طبقات پر صفحہ 335 سے صفحہ 400 تک مشتمل ہے۔

پہلی فصل: ابن سعد اور طبقات کبری کا منہج اور تعارف۔

دوسری فصل: طبقات رواۃ، راویوں کے طبقات...... طبقہ صحابہ، طبقہ تابعین، طبقہ اتباع تابعی پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل: صحابہ کرام میں سے بعض کے حالات زندگی:

حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، السیدہ عائشہ اُم المومنین، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ اور ابوسعید الخذری (یہ مکثرین من الصحابہ میں شمار ہوتے ہیں) کا تعارف

چوتھی فصل: بعض کبار تابعین کا تعارف پیش کیا گیا ہے:

حضرت سعید بن مسیب اور ابن شہاب الزہری رحمہم اللہ وغیرہ۔

پانچویں فصل: بعض اتباع تابعین کا تعارف دیا گیا جیسے امام مالک، امام شافعی، امام سفیان الثوری اور اللیث بن سعد وغیرہ۔

چھٹی فصل: اس میں اتباع اتباع التابعین مثلاً امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی کا تعارف دیا گیا ہے۔

آخر میں مصادر کی فہرست، اعلام کی معرفت اور فہرست موضوعات بھی درج کی گئی ہیں۔



مستشرقین اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر معاشرے میں بعض مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں جن کے مطالب و معانی ان مخصوص حالات میں اہم ہو جاتے ہیں مثلاً میڈیکل کی اصطلاحات' انجینئرنگ کی اصطلاحات اور آداب و مذہب کی اصطلاحات' مستشرق اور استشراق کا لفظ بھی ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کے لئے **Orientalist** اور **Orientalism** کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

انگریزی کی مشہور و معروف لغت **The Oxford English Dictionary** میں استشراق یعنی **Orientalism** کے بارے میں لکھا ہے:

> "**Orientalism** اور **Orientalist** لفظ **Orient** سے بنے ہیں جس کا معنی ہے مشرق اور بحیرہ روم کے مشرق میں واقع ممالک خصوصاً مشرقی ایشیا۔"[1]

اور **Orientalist** سے مراد وہ شخص ہے جو مشرق کا رہنے والا ہو یا جس کا تعلق مشرقی ایشیا کے ممالک سے ہو۔[2]

Webster کی **Dictionary** میں **Orientalism** کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں:

i- **A trait, custom or habit or expression, characteristic of oriental people.**

یعنی ایسی امتیازی خصوصیت' رواج' عادات کا اظہار جو مشرقی اقوام کے ساتھ مخصوص ہو۔

ii- **Learing in oriental subjects.**

یعنی علوم شرقی کا مطالعہ

iii- **An oriental turn of thought adopted by western thinker.**[3]

یعنی مشرقی انداز فکر جو کہ مغربی فکر نے اپنایا ہو۔

اور **Orientalist** کا معنی اس طرح ہے:

"A specialist in oriental subjects."

یعنی مشرقی علوم کا مہر مستشرق کہلاتا ہے۔

"Oxford English Dictionary" میں بھی ملتے جلتے معانی لکھے ہیں مثلاً **Oriental** اپنے تمام معانی میں مغربی **Occidental** کی ضد ہے۔

Orientalist وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب و ثقافت اور تہذیب و تمدن وغیرہ میں مہارت رکھتا ہو۔[4]

English Arabic Lexicon میں معانی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

"Orientalism کے معنی لغة شرقية، عبارة شرقية اور Orientalist کے یہ معنی بیان ہوئے ہیں: من المتضلعين باللغات الشرقية و آدابها۔"[5]

یعنی مشرقی زبانوں اور آداب معاشرت میں مہارت رکھنے والا۔

عربی قواعد کے اعتبار سے استشراق ثلاثی مزید فیہ کے باب استفعال سے ہے اور اس کا مادہ شرق ہے۔ اس طرح استشراق کا معانی ہو گا: بہ تکلف مشرقی بننا اور مستشرق کا معانی ہو گا وہ شخص جس نے بہ تکلف مشرقیت اختیار کی یا مشرقی بنا۔

اس طرح مستشرقین اہل علم کا وہ گروہ ہو گا جس نے مشرقی علوم، مشرقی زبانوں، مشرقی تہذیبوں اور مشرقی اقوام کے حالات اور ان کے عروج و زوال کی تاریخ کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔

اُردو کی اہمیت کتب لغت میں اس کا معانی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جو فرنگی مشرقی زبانوں اور علوم کا ماہر ہو۔"[6]

Edward W. Said نے اپنی کتاب Orientalism میں مفصل لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جو شخص مشرقی تہذیب و تمدن کے بارے میں پڑھاتا ہو، اس پر لکھتا ہو یا اس کے بارے میں تحقیق کرتا ہو، مستشرق کہلاتا ہے۔ ان معنوں میں یہ لفظ ماہر عمرانیات، ماہر تاریخ اور قدیم نسل انسانی کے ارتقائی ادوار اور قواعد و رسوم کے ماہر کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور ان شعبوں میں کام کرنے والے لوگوں کے افکار و اعمال کو مستشرقیت کا نام دیا جاتا ہے۔"[7]

مقاصد:

دور حاضر کے مفکر سیّد ابوالحسن ندوا اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

"مستشرقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا تعلق مغرب سے ہے اور جنہوں نے اسلامیات کے مطالعے کے لئے زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ لوگ مشرقی علوم میں دلچسپی رکھنے کی بناء پر مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں شہرت کے مالک ہیں۔ اس گروہ نے مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے،

اسلام کے ماضی کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرنے، اسلام کے حال کی طرف سے بیزاری اور اس کے مستقبل سے مایوسی، اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اصلاح مذہب (تجدد و جدیدیت) اصلاح قانون اسلامی کے بارے میں اس گروہ نے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔"(8)

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ جنہوں نے مستشرقین سے بالمشافہ ملاقاتیں کیں اور ان سے بحث و تمحیص کی وہ تحریک استشراق کے مقاصد سے متعلق لکھتے ہیں:

"صلیبی جنگوں میں شکست فاش اور سیاسی میدان میں ناکامی کے بعد سے ہی یورپ کا فکر و ذہن اب دوسرے طریقوں سے اسلام اور مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے کی تدابیر سوچتا رہا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی ایمانی قوت اور دینی صلاحیت کو کمزور کرنے اور اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے تمام تر اسلامی عقائد و تعلیمات کو علمی تحقیق کے عنوان سے بحث و نظر اور جرح و تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا اس کو تحریک استشراق کا نام دیا گیا ہے۔"(9)

تحریک استشراق محض مشرقی زبانوں سے واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے مطالعے تک محدود نہیں بلکہ اس تحریک نے ایک قدم آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے بغض و عناد کو اپنا لازمی جزو بنا لیا۔ ابتداء میں تو استشراق محض اسلام کے خلاف مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن بعد میں اس نے اپنا مقصد متعین کیا اور بظاہر علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا اور اب گویا دوسرے مرحلے پر استشراق نے باقاعدہ ایک تحریک، ایک رویہ اور انداز فکر کی شکل اختیار کر لی۔ اس انداز فکر کی روشنی میں مختلف موضوعات کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس انداز فکر کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات، اسلامی تہذیب اسلامی شخصیات اور اسلامی ورثے کو مسخ کر کے پیش کیا جائے۔ اسلام کی عالمگیریت اور دائمیت کی خصوصیات کو لوگوں کے ذہنوں سے محو کرنے کے لئے مسلمانوں میں علاقائی تہذیب کو اُچھالا جائے۔ مقامی زبانوں اور مردہ لغات کو زندہ کرنے کی کوششیں کی گئیں اور کہا کہ عربی رسم الخط میں تبدیلی کر کے رومی رسم الخط میں تبدیل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے اسلام کے مسلمات کے بارے میں مسلمانوں کے ذہنوں میں تشکیک کے بیج بونے کے لئے مربوط کوششیں کیں۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعمیر و ارتقاء میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی تاکہ اسلامی تہذیب کو خرافات کا مجموعہ ثابت کیا جا سکے۔(10)

مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لئے استعمال کی جاتی ہے جن کا تعلق یورپی ممالک سے ہے اور ان لوگوں نے اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و

ثقافت کو موضوع تحقیق بنایا ہے لیکن بعض اوقات یہ اصطلاح وسیع تر معنوں میں استعمال ہو جاتی ہے اور ان لوگوں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جو غیر مسلم ہوتے ہوئے اسلام پر تحقیقات کرتے ہیں خواہ وہ مغرب میں ہی قیام پذیر کیوں نہ ہوں۔ مستشرق اور استشراق کی اصطلاح زیادہ پرانی نہیں بلکہ انگریزی زبان و ادب میں ان اصطلاحات کا استعمال اپنے مخصوص معانی میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔(11)

مستشرقین کی جدوجہد کا مرکزی نکتہ:

1- اسلام کے ہر مقصد اور نصب العین کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنا۔
2- علماء و محدثین و مدبرین اسلام کے خلاف بدگمانی پیدا کرنا۔
3- مختلف ادوار خصوصاً دور اوّل میں مسلمان معاشرے کو ایسے معاشرے کی صورت میں پیش کرنا جس کا شیرازہ منتشر ہے اور اس کے اکابر انانیت اور نفسانیت کا شکار ہیں۔
4- اسلامی تہذیب و حضارت کی تحقیر و تذلیل کے نقطۂ نظر سے خلاف واقعہ بھیانک انداز میں اس کی صورت گری کرنا۔
5- اسلامی معاشرے کے حقیقی خدوخال سے آنکھیں بند کر کے اس پر لوگوں اور مختلف ممالک کے باشندوں کے اخلاق و عادات کو سامنے رکھ کر تنقید کرنا۔
6- نصوص شرعیہ کو خود ساختہ نظریوں کے تابع کرنا اور حسب خواہش ان کی قبولیت یا تردید کے درپے ہونا۔
7- نصوص شرعیہ میں قصداً تحریف کرنا اور کامیاب نہ ہونے پر ان کو غلط معانی پہنانا۔
8- جن ماخذ سے مواد فراہم کرتے ہیں ان کے بارے میں اپنی مرضی سے فیصلہ صادر کرنا مثلاً کتب ادب سے عبارت نقل کی اور اس کی وجہ سے تاریخ حدیث پر اعتراض کیا۔ اسی طرح کتب احادیث سے کوئی چیز لے کر تاریخ فقہ کو مطعون کرنے بیٹھ گئے۔ دمیری کی ''حیوۃ الحیوان'' سے نقل کردہ حکایت کو صحیح مان لیا اور امام مالکؒ کی شہرۂ آفاق کتابیں مروی حدیث کی تکذیب کر ڈالی۔

مستشرقین کی کامیابی کا راز:

مستشرقین کی کامیابی کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

1- ان کے پاس کتابوں کے وسیع ذخیرے موجود ہیں۔
2- ان میں سے ہر شخص ایک خاص فن یا اس کی کسی خاص فرع پر مطالعہ شروع کرتا ہے اور پھر اس کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کر دیتا ہے۔ ان کے پاس وسائل بھی بہت ہیں اور کتب خانے بھی زیادہ ہیں۔

حدیث (سنت) کے متعلق مستشرقین کا رویہ:

مستشرقین میں سے سب سے زیادہ خطرناک، بدطینت اور اس میدان میں وسیع معلومات رکھنے والا ہنگری کا یہودی مستشرق گولڈ زیہر (Gold Ziher) اسلامی علوم وفنون کے متعلق اپنی وسیع معلومات کے باعث وہ اپنے زمانہ کا شیخ المستشر قین تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کے مستشرقین کے لئے اس کی کتاب بنیادی ماخذ کا کام دیتی ہے۔ اس کے نظریات اس کی کتاب ''العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام'' میں پوری تفصیل سے مل جاتے ہیں۔ استاذ محمد یوسف موسیٰ، عبدالعزیز، عبدالحق اور ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے اس کتاب کو عربی جامہ پہنایا ہے۔

مستشرقین کے افکار سے بہت سے مسلمان بھی متاثر ہوئے ہیں مثلاً استاذ احمد امین نے ''فجر الاسلام'' میں اور ابوریہ نے ''الاضواء علی السنۃ المحمدیۃ'' میں جو رویہ اختیار کیا، وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے مستشرقین کی شاگردی کا فخر حاصل کیا ان کا طرز و انداز کیسا تھا۔

گولڈزیہر کے شبہات کا خلاصہ:

گولڈ زیہر کا قول ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کا ظہور وشیوع مسلمانوں کے ان دینی، سیاسی اور اجتماعی منازعات کے نتیجہ میں ہوا جو پہلی صدی اور دوسری صدی ہجری میں رونما ہوئے۔

یہ قول باطل ہے اور نصوص شرعیہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے وصال سے پہلے نہایت ہی مستحکم بنیادوں پر قصر اسلام کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تھے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں جاری کردہ قوانین کی روشنی میں اس کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہیں رہنے دیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ پہلے اعلان فرمایا تھا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ. (12)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کتاب اللہ اور سنت رسول، اگر ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔''

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آخری زندگی میں اعلان فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (13)

''آج تمہارا دین مکمل ہوا اور تم پر میری نعمت پوری ہوگئی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔''

اس آیت اور حدیث کے ذریعے اسلام کے کامل ومکمل ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی تھی۔ ان نصوص سے صاف ظاہر ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت اسلام اپنے انتہائی

شباب کو پہنچ چکا تھا۔ گولڈ زیہر کے قول کے مطابق ایسا نو عمر بچہ نہ تھا جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ ہاں فتوحات اسلامیہ اور دائرہ وسیع ہونے پر چند ضروری مسائل علماء کے سامنے ایسے ضرور آئے جن کے متعلق کتاب وسنت میں صراحت موجود نہیں تھی۔ اس کے حل کرنے کے لئے علماء کرام نے اجتہاد و قیاس سے کام لیا اور کتاب وسنت کے دائرے میں رہ کر ان کے لئے احکام وضع فرمائے۔

تکمیل اسلام کی واضح ترین مثال:

اگر آپ دور اوّل میں اسلام کی پختگی اور اس کے کمال کا مطالعہ چاہتے ہیں تو عہد فاروقی پر نگاہ ڈالئے' آپ دیکھیں گے کہ کس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر جن کی تہذیب وتمدن کا نقارہ چاردانگ عالم میں بج رہا تھا' قبضہ کرنے کے بعد ان پر ایسا اعلیٰ و اکمل نظام قائم کیا کہ اس کے مقابلہ میں قیصر وکسریٰ کا عدل و انصاف قصہ پارینہ بن کر رہ گیا اور اہلیان ملک کو امن و سعادت کی وہ زندگی نصیب ہوئی کہ وہ اپنی حکومت پر اسلامی حکومت کو ترجیح دینے پر مجبور ہو گئے۔[15]

کمال اسلام کی ایک اور مثال:

جب کوئی بااصول اور انصاف پسند آدمی دیکھتا ہے کہ مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کا طریقہ عبادت ایک ہے' ان کے تمام معاملات ایک نظام کے تحت سرانجام پاتے ہیں اور ان کے گھروں اور خاندانوں کے سارے امور ایک نہج پر جاری ہیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر جزیرہ عرب سے نکلتے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں کوئی ایسا جامع اور مکمل نظام حیات نہیں تھا جو ان کی زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی کرتا تو پھر ان کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں یہ وحدت کیوں ہے؟ اگر حدیث (سنت) فی الواقع' پہلی اور دوسری صدی کے بدلتے ہوئے زمانہ کی پیداوار ہے تو اقتصادی نظام میں متحد کس لئے ہے؟ حالانکہ ان کے درمیان چین سے لے کر افریقہ تک ہزارہا میل کا فاصلہ حائل ہے۔

پہلی صدی کے بعد مختلف مذاہب کا پیدا ہونا تو یہ بلاشبہ کتاب و سنت کو سمجھنے میں اختلاف کا نتیجہ ہے جو نیا نہیں ہے۔ یہ اختلاف فہم صحابہ میں ہوا اور ان کے بعد دوسری اور تیسری صدی میں ظاہر ہونے والے مذہب کے بانی مجتہدین میں بھی ہوا۔[16]

مگر تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مسائل اجتہادیہ میں اپنے اپنے مسلک کی بنیاد کسی صحابی یا تابعی کے قول پر ہی رکھی ہے جو اس بات کی واضح ترین شکل ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی دور میں مکمل ہو چکا تھا اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے اس کی شرح' کسی کلی حکم کی جزئیات پر منطبق کرنے یا اس سے چند ضروری فروعی مسائل اخذ کرنے کے سوا

اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔

کیا علماء مدینہ حدیث وضع کرتے تھے؟

گولڈ زیہر کا الزام ہے کہ علماء مدینہ نے بنواُمیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی۔

لیکن اس کا یہ نظریہ باطل ہے اور دیانتداری سے کوسوں دور! اگر وضع حدیث میں علماء مدینہ نے پہل کی تھی تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عالم اسلام کے کل یہی علماء تھے جو مدینہ میں رہتے تھے؟ کیا اس وقت مکہ، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر اور بڑے بڑے اسلامی شہروں میں دیگر اہل علم اور محدثین موجود نہ تھے؟ یقیناً اس وقت مکہ میں صحابہ کے علاوہ عطاء، طاؤس، مجاہد، عمرو بن دینار، ابن عینیہ اور ابن جریج وغیرہ رحمہم اللہ اکابر ملت موجود تھے۔ حسن بصری، ابن سیرین، مسلم بن یسار، ابوالشعساء، ایوب سختیانی بصرہ میں اقامت پذیر تھے۔ علقمہ، اسود، عمرو بن شرجیل رحمہم اللہ وغیرہ کوفہ میں فروکش تھے۔ ابو ادریس خولانی، خالد بن سعید بن عبدالرحمٰن، جبیر اور مکحول رحمہم اللہ شام میں رہتے تھے۔ نذیر بن ابی حبیب، عمرو بن حارث اور عبیداللہ بن ابی جعفر رحمہم اللہ مصر میں تدریس پر رونق افروز تھے۔ مطرفؒ وغیرہ اہل علم نے یمن میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔(17)

اموی دور حکومت میں یہ چوٹی کے علماء ہیں جن کی فہرست دی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحریک وضع حدیث میں یہ سب لوگ علماء مدینہ کے ہمنوا تھے؟ یہ کیسے ہوا؟ اگر وضع حدیث میں یہ حضرات علماء مدینہ کے شریک نہیں تھے تو انہوں نے اتنے بڑے فتنے کو روکنے میں خاموشی کیوں اختیار کی؟ اور اگر انہوں نے علماء مدینہ کے اس فعل کے خلاف آواز بلند کی تھی تو تاریخ میں اس کا ثبوت کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ تمام شہروں کے علماء اعتراف کرتے ہیں کہ اہل حجاز (مکہ معظمہ، مدینہ منورہ) کی احادیث صحیح اور قابل حجت ہوتی ہیں۔ اگر واقعی مدینہ میں حدیث گھڑنے کی کوئی ٹکسال موجود تھی تو علماء نے ان کی صحت کا اعتراف کیوں کیا؟ یقیناً یہ بے بنیاد اور متناقض دعویٰ ہے۔(18)

مزید برآں گولڈزیہر حضرت سعید بن مسیبؒ اور عبدالملک کی باہمی عداوت کو علماء پر وضع حدیث کی تہمت لگانے کا ذریعہ بتاتا ہے مگر یہ نہیں بتاتا کہ خود سعید بن مسیبؒ نے اس تحریک میں کس قدر حصہ لیا؟ حالانکہ اس کو اس تحریک کی سرپرستی اور رہنمائی کرنی چاہئے تھی۔ کیا امام زہریؒ کی طرح مستشرق، سعید بن مسیب کو بھی وضع حدیث کے ساتھ متہم گردانتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو زہری کی طرح اس کا نام صاف صاف کیوں نہیں لیتا؟

مگر تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں لہٰذا اس کو اس بات کی جرأت نہ ہوئی۔

گولڈزیہر کی جرأت:

اس کا دعویٰ ہے کہ ہمارے علماء حدیث جھوٹ بولنا جائز سمجھتے تھے اور اس بددیانتی پر اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کرتے تھے کہ وہ الحاذ احکام دین سے بغاوت اور بڑھتی ہوئی ذلالت کو دور کرنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔

ابطال حق اور تاریخ کو مسخ کرنے کی کتنی بڑی جرأت ہے؟

یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو روزمرہ زندگی میں ہمارے علماء سلف کے جھوٹ اور کذب بیانی سے اجتناب کی رفعتوں کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے اور یہ معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ خشیت الٰہی ان کے دلوں میں کس قدر راسخ تھی۔ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کے متعلق آئمہ اسلام کے نظریہ سے ناواقف ہے اور نہیں جانتا کہ ان کی اکثریت اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو نہ صرف کافر ہی کہتی ہے بلکہ ان کے قتل کا فتویٰ دیتی ہے اور ان سے توبہ کی قبولیت کی نفی کرتی ہے۔ اگر یہ مستشرق علماء اسلام کی ان خصوصیات کو نہیں جانتا ہے تو وہ معذور ہے۔

کیونکہ اس پر اور اس کے ماحول پر ان اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ کا سایہ بھی نہیں پڑا جو خود جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے وہ دوسروں کو اپنے سے بڑا جھوٹا خیال کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے ایسے ماحول میں پرورش پائی ہو جہاں سیاسیات، محکمانہ فیصلہ جات، درعلمی تحقیقات میں جھوٹ بولنا جائز سمجھا جاتا ہو، وہ دوسری قوموں اور اپنے سے مختلف ماحول میں رہنے والوں کو کیوں جھوٹا نہیں سمجھے گا۔ یہ کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے کہ سعید بن مسیّب جس نے اپنے لئے مار پیٹ اور سب وشتم کا خطرہ محض اس لئے مول لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث (بیک وقت دو خلیفوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا منع ہے) کی مخالفت سے بچ جائے، جائز سمجھتا تھا کہ وہ سنت کا دفاع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول پر جھوٹ بولے۔ یہ کون پسند کرے گا کہ ان لوگوں پر جنہوں نے سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے حکام وقت کے خلاف شدید احتجاج کیا، یہ تہمت لگائے کہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتے تھے اور اپنی طرف سے حدیث میں ایسے احکام ملا دیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائے تھے حالانکہ عام زندگی میں جھوٹ بولنا ایک منکر فعل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں وضع کرنا تو گناہ کبیرہ کا حکم رکھتا ہے۔(19)

کیا بنواُمیہ نے وضع حدیث میں علماء کی خدمات حاصل کیں:

گولڈزیہر یہ بھی الزام لگاتا ہے کہ اصحاب ورع علماء کے مقابلے میں بنواُمیہ نے بھی حدیثیں وضع کیں اور اس سلسلے میں اپنے زیراثر علماء کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا چنانچہ شاہی خاندان نے وضع حدیث کا کام زہریؒ کے سپرد کر رکھا تھا۔(20)

بنو اُمیہ پر وضع حدیث اور اس کو رواج دینے کی تہمت کا ثبوت اس مستشرق کے ذہن کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔ ہم پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ بنو اُمیہ کی وضع کردہ احادیث کہاں ہیں؟ علماء محدثین کی عادت ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں کوئی حدیث بلاسند ذکر نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں حدیث کی سندوں سے بھری پڑی ہیں لیکن ہزارہا احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں پاتے جس کی سند میں عبدالملک، معاویہ اور یزید کا نام آتا ہو یا ان کے عمال حجاج بن یوسف اور خالد بن عبداللہ وغیرہ کا تذکرہ موجود ہو۔ اگر ان احادیث کا کوئی وجود ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ تاریخ کے کس کونے میں چھپی ہوئی ہیں؟

گولڈزیہر نے امام زہریؒ کو جو مورد الزام ٹھہرایا ہے انتہائی زیادتی اور خلاف حقیقت ہے۔ امام زہریؒ کے بارے میں علماء کرام کا مؤقف ملاحظہ ہو:

امام ابن شہادت زہریؒ سنن نبویہ کے جامع و مدون اوّل ہیں۔ احادیث و سنن کے ضبط و حفظ اور اس کی جمع وتحریر میں انہوں نے اپنی عمر گزاری۔ امام لیثؒ فرماتے ہیں:

ما رأیت اجمع من الزهری. (21)

''میں نے زہری سے بڑھ کر احادیث کا کسی کو جامع نہیں دیکھا۔''

امام زہریؒ نے اپنے شیخ سعید بن مسیبؒ سے سات برس تک علم حدیث و فقہ حاصل کیا۔ (22)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا:

علیکم بابن شهاب فانکم لا تلقون احدا اعلم بالسنة. (23)

''ابن شہاب سے علم حاصل کرو کیونکہ سنن نبویہ اور آثار صحابہ کا عالم ابن شہاب سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔''

امام زہریؒ اخذ حدیث میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے۔ خطیب بغدادی اپنی کتاب **''الجامع الاداب الراوی و اخلاق السامع''** میں لکھتے ہیں:

''امام زہری نے فرمایا کہ علم حدیث ایک ایک دو دو حدیث حاصل کرنے سے حافظہ میں محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیک وقت بہت ساری حدیثوں کو حاصل کرے گا ''**طلب الکل فوت الکل**'' بن جائے گا۔''

سخاویؒ:

وعن الزهری قال طلب العلم جملة فاتته جملة وانما یدرک العلم حدیث و حدیثان. (24)

پروفیسر جوزف شاخت:

شاخت کے نزدیک اثبات وضع حدیث کے لئے یہ بہترین فارمولا ہے کہ فقہاء کے مناقشہ علمیہ میں جو حدیث استعمال نہیں ہوئی' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث موجود نہ تھی ورنہ اس کی طرف اشارہ ضروری تھا۔

"اصول "The origins of Muhammad and Jurisprudence" الشریعة المحمدیة" اور "Introduction to Islamic Law" "المدخل الی الفقه" میں شاخت کا یہ فارمولا درست نہیں:

"For the legal subject-matter in early Islam did not primarily derive from the koran or from other purely Islamic sources, Law lay to a great extent outside the sphere of rellgion."(25)

اسی بات کو شاخت نے اپنی کتاب "المدخل الی الفقه الاسلامی" میں قدرے وضاحت سے لکھا ہے۔

Introduction of Islamic Law:

During the greater part of the first centry Islamic law in the technical meaning of the term did not as yet exist. As had been the case in the time of the prophet, law as such fell outside the sphere of rellgion and as far as there were no rellgious of moral objection to specific transactions of modes of behaviour the technical as pects of law were a matter of indifference to the Muslims.(26)

(The Origins of Muhammad Jurispruence)

قرون اول کے زیادہ حصہ تک اصطلاحی فقہ اسلامی کا وجود نہیں تھا جیسا کہ عہدی نبوی میں تھا' پھر صراحت کے ساتھ کہتا ہے: ''بہت دشوار ہے کہ احادیث فقیہ ہی سے کسی حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہو۔''

کلام میں تناقض:

سب سے پہلے شاخت خود متناقض آراء پیش کرتا ہے۔ شاخت کا ایک قول ہے کہ امام شافعی سے دو قرن قبل سنت رسول کی طرف نسبت امر شاذ تھی اور پھر کہتا ہے کہ اوّل مدارس فقیہ قدیمہ نے احادیث نبویہ کا پُر زور مقابلہ کیا۔ ان کی نگاہ میں یہ اجنبی سفر تھا اور مدارس فقیہ قدیمہ

کے منہج میں تشویش پیدا کرنا تھا۔ اگر معاملہ اس طرح ہے کہ جیسا کہ شاخت نے پہلے بتایا کہ اصحاب مدارس فقیہ قدیمہ اپنے مناقشات میں احادیث نبویہ کا کیوں تذکرہ کیا کرتے تھے یا شاخت کا دعویٰ اصحاب فقیہ قدیمہ کی طرف منسوب اقوال غیر صحیح اور واقعہ کے خلاف ہے یا یہ سب مسائل اہتمام کے مستحق نہیں ہیں چونکہ ان کی بنیاد غیر صحیح تسلیمات اور فرضیات پر ہے۔

جب بھی کوئی محقق یا غیر جانبدار قاری ان امثلہ کا علمی جائزہ لیتا ہے جو مدرسہ عراقیہ اور سوریا میں منقول ہیں اور ان احادیث پر تدبر کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں تو انہیں مکذوب قرار دینے کے سوا کوئی چارہ اس کے پاس نہیں ہوتا۔

شاخت نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے صرف ایک مثال صالح بن کیسان کی اس نص کے حوالے سے دی ہے:

''معمر کہتے ہیں کہ مجھے صالح بن کیسان نے خبر دی کہ ایک دفعہ میں اور زہریؒ طلب علم میں جمع ہوئے، ہم نے کہا کہ سنن کو لکھ لیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول حدیثیں ہم نے لکھ لیں۔ پھر زہری کہنے لگے کہ اقوال صحابہ بھی سنت ہے، وہ بھی لکھ لیں۔ میں نے جواب دیا وہ سنت نہیں ہے، مت لکھیں۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ زہری نے اقوال صحابہ تحریر کر لئے اور میں نے تحریر نہ کئے، وہ کامیاب ہو گئے میں نے اس کامیابی کو ضائع کر دیا۔''(27)

شاخت نے نہ معلوم کس بناء پر اس نص سے آثار صحابہ کو سنت رسول ﷺ پر ترجیح دی، جواب ملاحظہ فرمایئے:

اولاً: احادیث رسول ﷺ کے لکھنے میں زہری اور صالح بن کیسان دونوں متفق تھے۔

ثانیاً: اہمیت آثار صحابہ کے متعلق زہری کا نظریہ صالح بن کیسان نے قبول نہ کیا۔

ثالثاً: علمی میدان میں صالح کی نسبت زہری کو زیادہ کامیابی حاصل ہو گئی۔ مذکورہ نص جس سے شاخت نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ لازماً اس کے نزدیک صحیح ہے ورنہ اس کے لئے اس پر اعتماد نہ ہوتا۔

بہرحال اس شخص نے بھی اپنے پیش رو گولڈ زیہر کی طرح لحدیث نبوی میں ہر طرح سے شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کبھی متون میں کبھی اسانید میں، کبھی مفہوم میں اور کبھی وضع حدیث کا الزام دیا مگر حق حق ہوتا ہے جو غالب ہوتا ہے۔

منٹگمری واٹ:

یہ بھی مستشرق اپنے پیروؤں سے کم نہیں تھا۔ منٹگمری واٹ حدیث "الغرانیق" کے متعلق لکھتا ہے:

''محمد ﷺ محض اپنے حامیوں میں اضافہ چاہتے تھے اور اسی لئے انہوں نے لات و

ی وغیرہ کی تعریف کی۔"[28]

ابن سعد' مؤرخ طبری' ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے بھی بیان کر کے لکھا ہے کہ اس واقعہ
سند متصل نہیں ہے۔ اس سے واٹ کی خیانت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔[29]

اور ویسے بھی اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبی پاک ﷺ نے بت پرستی کی
ازت دی تھی۔

منٹگمری واٹ یہ بھی لکھتا ہے:

"محمد ﷺ کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ وہ اپنی دعوت کو قریش سے باہر وسعت دیں۔ محمد ﷺ
ہد مکی کے آخیر تک اپنی دعوت کو عربوں تک محدود سمجھتے تھے۔"

یہ بھی بے بنیاد اعتراض ہے کیونکہ مکی آیات میں ہی آپ ﷺ کی دعوت کے عالمی
ونے کا ذکر موجود ہے۔[30]

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین.[31]

ان ھو الا ذکر للعالمین.[32]

واٹ نے محمد ﷺ کے اُمی ہونے سے انکار کیا ہے[33] جس کی کوئی دلیل اس کے پاس
ہیں۔

سناد حدیث پر مستشرقین کا اعتراض:

سپرینگر اور میور نے اس رائے کو تقویت دی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ (م 101ھ) وہ
پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم (م 117ھ) کو احادیث لکھنے کی ہدایت
ی تھی[34] اور جس کی بموجب 120ھ سے قبل کتب حدیث ناپید تھیں۔[35]

گولڈزیہر' عمر بن عبدالعزیز سے منسوب اس روایت کو جعلی قرار دیتا ہے۔ تدوین حدیث
کا زمانہ دوسری صدی کا آخر قرار دیتا ہے۔ گولڈزیہر' سپرینگر کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے کہ
پہلی صدی ہجری میں نوٹس اور متفرق تحریروں کی شکل میں احادیث پر مواد موجود تھا لیکن حدیث
کے باضابطہ مجموعے دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہیں اس کی رائے میں دوسری صدی کے
بتدائی نصف حصہ میں حدیث پر مشتمل ریکارڈ زیادہ تر فقہی نوعیت کے تھے۔ اس ذیل میں امام
بوحنیفہ (150ھ)' عبدالملک بن جریج (150ھ)' سعید بن ابی عروبہ (152ھ)' امام مالک
(179ھ)' امام شافعی (204ھ) کے نام آتے ہیں۔

حدیث کے ابتدائی مجموعے مصنف اور مسند کی شکل میں منظر عام پر آئے جس میں
نمایاں مقام مسند احمد بن حنبل (241ھ) اور امام محمد بن اسماعیل بخاری (256ھ) کی "الجامع
لصحیح" کو حاصل ہے۔

مغربی حلقوں میں حدیث اور دوسرے اسلامی موضوعات پر علمی کاموں کی ابتداء کا سہرا گولڈزیہر کی کتاب ''مطالعہ محمڈنزم'' کو جاتا ہے جس کی اشاعت 80-1890ء میں ہوئی۔ متاخرین علماء عرب اسی کتاب کے خوشہ چین ہیں۔

شاخت نے گولڈ زیہر کی آراء کو اپنی کتاب ''محمد فقہ کی اساس'' میں تفصیلی جامہ پہنایا ہے۔ محمد مصطفیٰ اعظمی نے دور حاضر میں اس موضوع پر مزید تحقیق کی ہے۔[36]

اعظمی کی رائے کے مطابق مستشرقین کے تدوین حدیث کی ابتداء کے بارے میں غلط تاثرات چند عربی اصطلاحات جیسے تدوین، تصنیف، رسالہ وغیرہ کے مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی رائے میں ''رسائل'' کی شکل میں حدیث کے مجموعوں کا ایک بڑا ذخیرہ پہلی صدی میں متفرق طور پر موجود تھا۔ کسی خاص موضوع کی تجدید کے بغیر صحیفہ یا رسالہ کے نام سے ایسا مواد اس دور میں بکثرت دستیاب تھا۔ ایک نمایاں مثال صحیفہ ہمام بن منبہ (101ھ) کی ہے جنہوں نے حضرت ابوہریرہؓ (م 58ھ) سے روایت کی ہے۔[37]

محدثین کی ایک بڑی تعداد نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے صحیفہ صادقہ کا ذکر کیا ہے گو اس تمام ذخیرے کی موضوع کے مطابق تصنیف دوسری صدی ہجری کے محدثین نے کی۔

برسبیل مثال چند محدثین کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے اس کام کا بیڑا اُٹھا رکھا تھا۔ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (150ھ)، محمد بن اسحاق (153ھ)، سعید بن ابی عروبہ (152ھ)، امام مالک بن انس صاحب موطا (179ھ)، فواد سیزگین کی تحقیق کے مطابق حدیث کی قدیم ترین مجموعوں میں معمر بن راشد (153ھ) کی کتاب الجامع، قتادہ (117ھ) کی کتاب المناسک اور ربیع بن حبیب بصری (170ھ) کی کتاب الجامع اب بھی موجود ہیں۔ متاخرین محدثین جیسے بخاری اور مسلم بن حجاج قشیری (261ھ) نے احادیث کے مجموعوں کی تدوین میں مندرجہ بالا مواد سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔

فواد سیزگین تدوین حدیث کے ضمن میں گولڈ زیہر کی عمر بن عبدالعزیز سے منسوب روایت کو جعلی قرار دینے کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''یہ روایت کئی مصادر سے منقول ہے اور ناقلین ابومحمد عبداللہ الدارمی (255ھ)، ابن سعد (231ھ) اور امام بخاری شامل ہیں۔ ابو حاتم رازی (277ھ) کی روایت کے مطابق ابوبکر بن حزم نے عمر بن عبدالعزیز کے اس حکم کو عملی جامہ پہنایا تھا۔''[38]

پروفیسر اعظمی کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل تعداد ان راویوں کی ہے جن سے منسوب شدہ تحریر مواد رسالہ یا نسخہ کے نام سے معروف تھا اور جن کی طرف متاخرین محدثین نے اپنی تالیفات میں اشارہ کیا ہے:

صحابہ میں سے 50 راوی
پہلی صدی ہجری کے تابعین میں 38 راوی
پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے آغاز میں 86 راوی
دوسری صدی کے 256 راوی

مسند احمد نے اپنے دامن میں زیادہ تر اس ذخیرہ کو سمو لیا ہے۔ مسند احمد کو بجا طور پر حدیث کی قدیم اور عظیم ترین کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قبل ازیں جن تحریروں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ حدیث کے قدیم ترین مجموعوں میں مندرجہ ذیل مجموعے اب بھی دستیاب ہیں:

1- موسیٰ بن عقبہ 141ھ کی کتاب "المغازی" جس کا کچھ حصہ طبع ہو چکا ہے۔
2- ابراہیم بن محمد بن الحارث الغرازی (188ھ) کی کتاب "السیر" جو فارس کی قزوین لائبریری میں محفوظ ہے۔
3- محمد بن اسحاق بن یسار (151ھ) کی سیرت پر تالیف کو ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرة النبویه ﷺ" میں سمو لیا ہے۔
4- سالم بن عبداللہ الخیاط (150ھ) صاحب نسخہ تھے۔

وصلی اللہ علی النبی و آلہ و صحابہ وسلم

حوالہ جات

1- The Oxford English Dictionary VII/200
2- The Oxford English Dictionary VII/200
3- Webster 1046
4- The Oxford English Dictionary VII/200
5- The Lexicon 700
6- فیروز اللغات: 97612، قائد اللغات: 8750، علمی اُردو لغت: 1385
7- The New Hamlyn Encylopedia World; P. 1178,
Orientalism, P. 2
المدود البعلبکی، ص 678- قومی انگریزی اُردو لغت، ص 1369
8- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص 456
9- السباعی: السته و مکانتها فی التشریع الاسلامی، ص 31-32
10- مسلم ممالک میں اسلامیات اور مغربیت کی کشمکش، ص 740
11- The Oxford English Dictionary VII/200
12- مشکٰوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص 3
13- المائدہ: 3
14- گولڈ زیہر: العقیدة الشرعیة الاسلام، ص 126
15- شبلی: الفاروق، ص 249
16- ابوزہرة: اسلامی مذاہب، ص 97
17- ابن قیم: اعلام الموقعین، ص 178
18- السباعی: المنشرقون والاسلام، ص 90
19- السباعی: المسلمون، دمشق صفر 1375ھ
20- السباعی: السته و مکانتها فی التشریع الاسلامی، ص 376
21- الذھبی: تذکرة الحفاظ 1038- تہذیب الاسماء 918
22- کتاب الجرح والتعدیل، قسم اوّل 60/2
23- کتاب الجرح والتعدیل، قسم اوّل 2/5
24- فتح المغیث: 331، مقدمہ بن اصلاح: 128
26- The Origins of Muhammad Juris Prodence Preface

27- Hitro Ductio to Islamic Law

-27 طبقات ابن سعد 125:3/2

-28 محمد فی مکہ ص 122-172

-29 حدیث التفاسیر: مولانا عبدالستار ص 253 حاشیہ نمبر 2

-30 محمد فی مکہ ص 333

-31 الانبیاء: 107

-32 التکویر: 27

-33 محمد نبی اور جل دولۃ ص 39-40

34- The Life of Muhammad

35- J. Rboson; Tradition, The Second Foundation of Islam

-36 "Study in Hadith Literature" دوسری اور تیسری فصل

-37 ڈاکٹر محمد حمید اللہ صحیفہ ہمام بن منبہ طبع ہندوستان 1921ء

-38 الرازی: کتاب الجرح والتعدیل ص 218



ایم اے اسلامیات کے ریگولر طلباء کیلئے ہماری کامیا...

سال اول

(۱) تیسیر القرآن	احمد رضا
(۲) تیسیر الحدیث	پروفیسر محمد نعیم
کتاب اللؤلؤ والمرجان	ڈاکٹر حمید اللہ
(۳) اسلام اور مذہب عالم	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۴) تاریخ اسلام	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۵) عربی زبان ادب	احمد رضا

سال دوم

(۱) تیسیر الفقہ	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
اصول الشاشی	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۲) دعوت وارشاد	ڈاکٹر حمید اللہ
دعوت ارشاد	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۳) اسلام اور جدید معاشی افکار اور تحریکیں	مہر محمد نواز
(۴) اسلام اور سائنس	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
(۵) اسلام اور فلسفہ	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
(۶) عالم اسلام کے وسائل ومسائل	ملک کریم بخش
(۷) اسلام اور جدید سیاسی عمرانی افکار	اصغر علی شاہ جعفری
(۸) اسلامی اخلاق وتصوف	قاری محمد امین کھوکھر
الکلام وعلم الکلام	پروفیسر محمد نعیم صدیقی

ایم اے اسلامیات کے لئے دانیال گائیڈ، حل شدہ پرچے بھی دستیاب ہیں

مکتبہ دانیال

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Ph:042-7660736

Mob:0333-4276640